حکایاتِ اولیاء
تالیف
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
جس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور انکے خاندان
کے تمام بزرگوں نیز علمائے دیوبند کے تمام اکابر علماء کے
نہایت مستند حالات و تاریخی حکایات جمع کی گئی ہیں
انداز بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ شروع کرنے
کے بعد پڑھتے ہی چلے جائیں
ہمدانی ذخیرۂ کتب
ناشر
دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۶۸

حکایات اولیاء

تالیف
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

جس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کے تمام بزرگوں نیز علمائے دیوبند کے تمام اکابر علماء کے نہایت مستند حالات وزریں حکایات جمع کی گئی ہیں
انداز بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ شروع کرنے کے بعد پڑھتے ہی چلے جائیں

ناشر
دار الاشاعت
مسافر خانہ کراچی ـــــ فون ۲۱۳۷۶۸

طبع اول :
باہتمام : خلیل اشرف
طباعت : احمد پرنٹنگ کارپوریشن کراچی

ملنے کے پتے:
دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم دارالعلوم کراچی ۱۴
ادارۃ القرآن دیپ اسٹریٹ لسبیلہ کراچی ۵
بیت القرآن اردو بازار کراچی ۱

فہرستِ مضامین حکایاتِ اولیاء

اَرواحِ ثلاثہ

یعنی

حکایاتِ اولیاء

جدید ترتیب اور اضافوں کے ساتھ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور اُن کے خاندان کے تمام مشائخ اور اکابر علماء و مشائخ دیوبند کے حالات و حکایات پر نہایت مستند اور عجیب کتاب اس دفعہ جدید اضافوں اور جدید ترتیب کے ساتھ شائع ہوئی ہے

مرتبہ

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار - کراچی ۱

فون ۲۶۳۱۸۶۱

281 = گنگوہی صاحب [illegible] تمام زمین کو اولیاء اگر [illegible] نفع نہ ہوگا بجز رشید احمد گنگوہی کے.

285 = مولوی یعقوب صاحب کے لیے آسمان سے کھٹولا اترا جس کی پٹیاں، سیرو اور پائے سب رنگ رنگ تھے.

294 = مولوی یعقوب صاحب کی قبر کی مٹی بیمار کو شفا دیتی تھی.

300 [illegible]

306 [illegible]

311 [illegible]

325 [illegible]

332 [illegible]

[illegible]

حکایت (۵) حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسی تیری اولاد ویسی میری) پھر آپ کو اطمینان ہوگیا۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ جیسے بھی صاحب فضل وکمال ہوئے ظاہر ہے۔

(از تقریرات بعض ثقات) (منقول از اضافہ مولوی محمد نجیب صاحب در اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہٗ

حکایت (۶) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئے تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری) آپ کو اطمینان ہوگیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچے جیسے بھی صاحب فضل وکمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ اب اُن کی اولاد میں بجز عبدالسلام کے جو تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔

(منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی حکایات

حکایت (۷) مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سنا۔ صرف دیوان اللہ دیئے سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا

معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے۔ اور جب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلی بچھا کر بیٹھتے تھے اور اُن کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اُسکے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور اُن کے نیچے سے مصلی نکال کر پھینک دیتے لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے۔ اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہوجاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے۔ مگر دریافت کرنیکی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ اُن کیساتھ یہ برتاؤ کیوں کررہے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی۔ ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اُسوقت ان کیساتھ یونہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے۔ مگر ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا۱؎۔ اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کیطرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایکروز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اس کیطرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میں نے جو اس کیطرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اسکو اپنے سے بہت اونچا دیکھا۔ اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑ دی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ

۱؎ ان کی صحبت نفسانی نہ تھی۔ ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہوجاتے۔ (اشرف علی)

تصدیق نہ کرتے۔ اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئی ہیں لیکن زبانی گفتگو
کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں مسئلہ مذکورہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب
اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سنتے رہتے تھے اور
اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ عبدالعزیز
صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں نہیں کر لیتے
شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاں کا جواب نہیں کہ جب
شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اسکا جواب نہیں ہے۔
خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنیکی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس سے
سُنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب کا اس
میں ایک تیسرا مسلک تھا وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپکو اس زمانہ کے علماء کی
وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع
کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حکایت (۲۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور میانجی محمدی صاحب
فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالرحیم
صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایکمرتبہ تشریف لیجاتے۔ آپکے متعلقین بھی آپ کیساتھ
اور وہاں جاکر فاتحہ پڑھتے فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے
بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے۔ مگر شاہ اسحاق صاحب بھی آپکے ہمراہ جاتے
لیکن جسوقت فاتحہ پڑھ لیتے تھے تو شاہ صاحب شاہ اسحاق صاحب سے فرماتے کہ میاں
اسحاق بیٹھو گے یا جاؤ گے۔ اس پر شاہ صاحب فرماتے کہ حضور جاؤنگا۔ اور یہ کہہ کر چلے

تشریف لے آتے۔ یہ کبھی جلسہ میں شریک نہیں ہوئے اور نہ شاہ صاحب نے ان کے عدم
شرکت پر ان سے کبھی کچھ تعرض فرمایا۔

حکایت (۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے
تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ایکمرتبہ کھانا کھانے کیلئے زنانہ مکان میں تشریف لیگئے تھے اور
کچھ لوگ آپکے انتظار میں مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے عبدالوہاب نجدی کا ذکر
چھڑ گیا۔ ان میں سے دو آدمیوں میں اس کے متعلق مناظرہ ہونے لگا۔ ایک نے عبدالوہاب کی مذمت
وتنقیص و تکفیر شروع کی۔ دوسرے نے اسکی تعریف و تحسین اور خوب گفتگو ہوئی انہیں سے
ایک مذمت کرنیوالے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بددین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن قیم
مردودوں اور بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا۔ اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان
سے تشریف لے آئے۔ شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس شخص نے جو عبدالوہاب
کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہوں کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا
تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بددینوں کے دین کو رواج دینا چاہا۔ شاہ صاحب
نے اسکے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی منہ پر انگلی رکھی اور فرمایا بابا۔ اور دیر تک ایسا ہی کیا۔ مطلب
یہ تھا کہ یہ بات نہایت بُری ہے تم ایسا نہ کہو اسکے بعد بیٹھ کر فرمایا کہ عبدالوہاب بھی نہایت
سچا اور پکا مسلمان اور متبع سنت تھا مگر بدعقل اور ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی نہایت سچے اور
پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے اُن سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بنا پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز نہیں
چاہیے اسکے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعال طواف تھی اور اس حالت میں

ف [illegible] مسلک اس [illegible] تنہا ہو گیا ہے سابقہ کے حاشیہ میں مذکور ہوا اور شاگرد و استاد دونوں کا
کسی درجہ اتفاق و حسن ظن ثابت ہوتا ہے۔ اشرف علی

اُنکی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمتِ مسجد بھی محفوظ رہی اور [illegible]
تعلیم بھی حاصل ہوگیا۔ عبد الوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور اُسنے اپنے
اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی۔ سو گو یہ اسکی
غلطی تھی، مگر اسکا منشاء اتباعِ سُنت تھا اسلیے اس کو بُرا کہنا نہ چاہیے۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۱) فرمایا کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے پاس ایک جہاز ران انگریز آیا اور کہا کہ
میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے؟ شاہ صاحب
نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کیے تو وہ اسکو بھی یاد نہ تھے۔ اُسکو حیرت ہوگئی، پوچھا تو
فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی، اسمیں سے ہی کچھ یاد ہوگیا ہوگا۔

حکایت (۳۲) فرمایا کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے پاس دو قوال آئے انمیں کسی راگ
میں اختلاف تھا۔ اور شاہ صاحب کو حکم بنایا۔ دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا، شاہ صاحب
نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کی تخطیہ، اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے۔ اُنکو بڑا تعجب
ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستے میں ایک ڈوم نے
بالاخانہ کرایہ پہ لے رکھا تھا۔ ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے۔ اُسی سے ہمنے کچھ معلوم کیا تھا جو بیان کیا۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہ کسولوی

حکایت (۳۳) ایک بار شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ
کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہبِ اربعہ میں کون مذہب آپکے مذہب کے مطابق ہے
فرمایا کوئی بھی نہیں۔ پھر سلاسلِ اربعہ کو دریافت کیا، اسکی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ

[illegible]

کوئی بھی نہیں۔ جب اس خواب کی خبر مرزا جانانِ جان رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپنے شاہ صاحب
سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاثِ احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسلِ اربعہ اور مذاہب
اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المومنین کے موافق نہ ہو؟ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب
رُؤیائے صالحہ ہے۔ اور عدمِ موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی
سلسلہ اور کوئی مذہب آپکے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اسلیے کہ ہر ایک مذہب مذاہبِ صحابہ کا مجموعہ
ہے۔ کوئی مسئلہ حضرت صدیقؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علیؓ کے اور کوئی حضرت
عبد اللہ بن مسعودؓ کے اور یہی حال سلاسلِ مشائخؒ کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۳۴) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اسوقت لکھوانا چاہتا ہوں میں
نے صدہا آدمیوں سے سُنی ہے اور اُسکے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو
بھی آخر میں لکھواؤنگا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونیوالا ہوتا تو شاہ عبد القادر
صاحب اول روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونیوالا ہوتا تو اوّل
روز دو سیپارے پڑھتے۔ چونکہ اس کا تجربہ ہوچکا تھا اسلیے شاہ عبد العزیز صاحب اوّل روز
آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبد القادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی
آکر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا۔ یہ دونوں
بات ہے کہ ابر و غبار کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجتِ شرعی نہ ہونیکی وجہ سے رویت کا
حکم نہ لگایا جائے۔ اس میں مولوی محمود الحسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلی میں اسقدر
مشہور ہوگئی تھی کہ اہلِ بازار بعد اہلِ پیشہ کے لوگ بعد اس پر مبنی ہوگئے تھے۔ مثلاً اگر شاہ عبد القادر

[illegible]

(زرارِ زمانہ ص ۱۰۰)

تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی، بلکہ ہم نے انکو ناقص اور واہیات سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا ہے
مگر انہوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک ہماری قدمبوسی کیے جاتے ہیں۔ یہ قصہ بیان
فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل
حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی۔ مگر مولوی احمد علی خیرآبادی
اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل
حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حکایت (۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل
جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی اور چونکہ
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپ نے انکو متبنیٰ بھی بنایا تھا اسلیے آپ
نے بیٹی اور بھائیوں کی اجازت سے کچھ حصہ ان کے نام بھی کر دیا تھا اور خود بالکل متوکل
ہو کر بیٹھ گئے تھے، اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز سے ان کو
محبت تھی اسلیے دونوں وقت شاہ صاحب نہایت اہتمام کیساتھ انکے لیے کھانا بھجوایا کرتے
تھے اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنا دیا کرتے تھے۔
اتفاق سے ایکروز ایک بھنگ فروش عورت آئی اور اُس نے نہایت سماجت سے عرض
کیا کہ حضرت میں مجبور ہو گئی ہوں اور میری دُکان نہیں چلتی۔ آپنے اسکو ایک تعویذ لکھ دیا[1]

[1] اور بھنگی کی ... [illegible]
[illegible]
کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے اس کے مال کے خبث کی۔ (اشرف علی)

اور فرمایا کہ اسکو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا اور فرمایا کہ جب تیری دکان چل جائے
تو مجھے یہ تعویذ واپس دیجانا۔ چونکہ آپ کی خدمت میں بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحاق
صاحب مولوی عبدالحی صاحب وغیرہم بیٹھتے تھے اسلیے ان کو شاہ صاحب کے اس فعل
سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ۔ مگر اسکو دل ہی میں رکھا اور
ظاہر نہیں کیا۔ چند روز کے بعد وہ عورت دو بہنگیاں مٹھائی کی لائی۔ آپنے خلاف معمول کہ
یہ ہدیہ نہ لیتے تھے بہنگیاں قبول فرمالیں۔ اب تو ان حضرات کا خلجان اور ترقی کر گیا جب
وہ عورت چلی گئی تو آپنے وہ تعویذ ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو اسمیں کیا لکھا ہے۔
انہوں نے پڑھا تو اسمیں لکھا تھا کہ دلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے
تم اور جگہ نہ پیا کرو اسی کی دکان پر پی لیا کرو۔ اور اسی روز آپنے حکم دیا کہ چار بوریے مسجد
سے باہر[1] بچھا دیے جائیں اور ایک مسجد کے اندر بچھا دیا جاوے۔ خدام نے اس حکم کی تعمیل
کر دی۔ تھوڑی دیر میں چار بھنگی آئے اور شاہ صاحب نے انکو چاروں بوریوں پر بٹھایا اور
خود مسجد کے اندر ڈالے ہوتے بوریے پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر باتیں کر کے انکو رخصت کر
دیا اور چاروں چھبڑے مٹھائیوں کے ان کیساتھ کر دیے اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا انکو سناتے
ہوئے فرمایا، مالِ حرام بود بجائے حرام رفت۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی
عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔

حکایت (۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ[2]
عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے خواہ سنی
ہو یا شیعہ۔ ایک رئیس تھا شیعی۔ انکے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا۔

[1] یہ ضرورت نہیں کہ بوریے مسجد کے ہوں کیونکہ ان کا استعمال غیر مصالح مسجد میں ناجائز ہے۔ خود شاہ صاحب کے ہوں گے۔ (اشرف علی)

عیب کیوں ہوتا۔ البتہ میرے اندر ہے۔ مگر اس طریق سے آجتک کسی نے مجھے سمجھایا نہ
تھا۔ اب میں تائب ہوتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کرونگا۔ ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے …
معمول رہا ہے۔ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اسکو نصیحت کرتے ہیں کیونکہ …
کرتے۔ اور بعض میں جو اسکا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے شدت نہیں ہے۔ حدت …
باب میں تو حدیث میں آیا ہے لیس احد اولیٰ من صاحب القرآن من القرآن …
(کذا فی المقاصد الحسنہ) جسکی حقیقت غیرت ہے۔ لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں …
حدت اور شدت اور ہے۔ حدت لوازم ایمان سے ہے۔ مومن بہت غیرتمند ہوتا ہے …
اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز …
ہے تو اس سے یہ کہا جاویگا کم بخت کچھ نہ کہنا تب بے غیرتی ہے ایسے دیندار کو خلاف دین …
تحمل نہیں ہوتا۔

حکایت (۴۳) فرمایا مولوی فضل حق صاحب شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے …
پڑھتے تھے شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں ایک کشف …
بڑھا ہوا تھا۔ جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لیجاتے تو …
سے پہلے خود لے لیتے شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا تھا۔ اسی روز مولوی صاحب …
کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لیجاتے تو حضرت کو کشف ہو جاتا اور اُس روز …
سبق پڑھاتے (جامع کہتا ہے) ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل ۔۔۔ تا نباشید از گمان بد خجل (استاذ …)

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۴۴) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید …

وعظ فرما رہے تھے، اثناء وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ
تم حرامی ہو۔ آپنے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میاں تم نے غلط سنا ہے۔ میرے ماں باپ کے
نکاح کے گواہ بڈھانہ، پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں۔ اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔

حکایت (۴۵) خانصاحب نے فرمایا حکیم ضیاء الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب
کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے انکے بہت
سے حالات سنے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور مفتی الٰہی بخش
صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ انکا قصہ حضرت گنگوہی سے سنا ہے کہ جب سید صاحب
کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہنچا تو مولوی محمد حسن صاحب انسے سہارنپور آکر ملے۔ مولوی
محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ انکا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب
کے مکان پر یا کسی دکان پر کھانا نہ کھائیں بلکہ انکو اپنے ساتھ کھلاؤنگا۔ مولوی محمد حسن نہایت
نازک مزاج اور نازک طبع تھے۔ جب کھانیکا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہید کیساتھ
کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہید نے زور سے ناک سنکی۔ مولوی
صاحب کھانے سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔ مولانا شہید نے انکے اٹھ جانیکی مطلق پروا
نہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب انکا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانا نہ کھا سکیں،
خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھانے بیٹھے تو مولانا نے پھر زور سے سنکا
مگر مولوی محمد حسن اسوقت نہ اٹھے۔ جب وہ اٹھے تو مولانا نے رینٹ کو انکے سامنے انگلیوں
سے نکالا پھر انسے نہ رہا گیا اور یہ کہہ کر کہ مولانا کیا کرتے ہو فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ مولانا نے اپنے
خدام کو پھر ہدایت کی کہ دیکھو انکو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا تو پھر

؎ اس سے طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا شہید کی تیزی وغیرہ سب دین کیلئے تھی ورنہ ہیجان نفس کا اس
سے بڑھکر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے۔ (اشرف علی)

کھانا کھانے بیٹھے۔ مولانا شہید نے پھر زور سے سِنکا اور ہاتھ سے رینٹ مل کو کُلتے ہوئے
کھانے کیطرف کو چلے، انھوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کردیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ
اسمیں طاعی دینگے تب بھی کھالونگا۔ مولانا نے فرمایا کہ بس اب علاج ہوگیا۔ خدام سے کہ
پانی لاؤ اور پانی منگا کر ہاتھ دھو ڈالے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اسلیے کیا تھا کہ تم جہ
کو جارہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔ ۱ه

حکایت (۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی
جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے۔ اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ
اُن کیساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا او
وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انھوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کررہے ہیں
اُٹھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم کیجیے۔ مولانا اسپر بھی
اُٹھے۔ اسپر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور انھوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا
اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اسوقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اٹھ سکتا۔ اس جواب کو سنکر اور شغب ہوا او
فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کیساتھ بھی فدائی بہت تھے اسلیے فساد نے کوئی خط
صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہگیا۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا
اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت
شکایتیں کیں۔ اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں، شاہ عالم کے زمانہ
میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا اسمیں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اسکے

ف ہو کہ اکمل العارفین شیرازی ہے تا پروردہ شم زبرد بر راہ بدوست ، عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد
حکمائے امت اخلاق رذائل کی اصلاح اس طرح کرتے ہیں۔ (اشرف علی)

اطراف اور قطب صاحب اور اسکے اطراف تک محدود تھے۔ لیکن اکبر شاہ کیوقت میں یہ
اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان
کرتا ہوں۔ جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور اُن
سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا اور یہ بھی فرمایا
کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ اکبر شاہ
نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ انکو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے
مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ میں تو کہتا ہی ہوں، مگر آپ انکو مصنوعی سمجھتے
بھی ہیں اور معاملہ بھی اُن کیساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اکبر شاہ نے تعجب سے کہا کہ یہ کیسے؟
مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت
کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے گئے۔
یہ سن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا۔ اسکے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور
بخاری شریف لاؤ، چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور آپ نے انکو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا
اور اسکے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اوّل تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی
لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے
ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبیس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن مجید
کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، علی ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق
اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے اسلیے اسکا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے۔ اور
کلام اللہ و کلام رسول کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے
اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے

کلام خدا وکلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے انکی کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح
بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم اُن کے شرف کی
وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولینا شہید نے
نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولینا تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن
جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی
ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اسکے پاس ایک
شہزادہ بیٹھا ہوا تھا جسکی داڑھی منڈی ہوئی تھی، مجھے اس شہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب
یاد نہیں رہا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ شہزادہ تو چکنا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیز
کا وعظ سنا مگر ابتک داڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں
رہا اس کا اثر یہ ہوا کہ شہزادے نے داڑھی رکھ لی اور بادشاہ نے کڑے اُتار دیئے۔

حکایت (۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے
سنا ہے کہ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپکے کچھ ساتھی جنمیں میں بھی تھا شکار کیلئے
چلے قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلے پر ایک گسائیں رہتا تھا جو کہ مرتاض تھا
اور اسکے چیلے اسکے پاس رہتے تھے، اسکی کُٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں
کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے۔ مولانا نے بندوق سے ایک مور کا شکار کر لیا اس
گسائیں کے چیلوں میں ایک شور مچگیا اور گوسائیں سمیت سب کے سب مولانا اور اُنکے
ہمراہیوں سے لڑنے کیلئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کیلئے تیار ہو کر اُدھر کو چلے۔ مولانا
نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا تم
ذرا نرمی کرو انشاء اللہ ہم مور اسکو کھلا کر چلیں گے۔ اور یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گسائیں

لہ یہ بھی بڑی اہلیت ہے ان سلاطین کی، نیز اثر ہے مولانا کے خلوص و اہلیت کا بھی۔ (اشرف علی)

کیطرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گسائیں صاحب ذرا ہماری بات سُن لیجئے اسکے
بعد جو آپکے جی میں آئے کیجئے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں۔ غرض اس قسم
کی نرم گفتگو سے اسکو نرم کیا۔ اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اُسے اسلام کی دعوت
دی اور دونوں جانب سے اس معاملہ میں گفتگو رہی۔ اسکے بعد وہ گوسائیں اور اسکے اکثر ہمراہی
مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گوسائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت
ہو گئے۔ مولانا نے رات کو گسائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اسکو کھلایا۔ خادم علی
صاحب فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اسوقت مولانا کیساتھ تھا۔

حکایت (۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب
دلی کی جامع مسجد کے پیچھے کی دکانوں میں سے ایک دکان میں رہتا تھا اور اس زمانہ کے
لوگ اُسکے نہایت معتقد تھے، اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی اُن سیڑھیوں پر آ
بیٹھتا تھا جو دریبہ کی جانب ہیں۔ اور اسکی شکل اسقدر ہیبت ناک تھی کہ اکثر لوگ اُسکے
خوف سے اسطرف کا راستہ چلنا چھوڑ دیتے تھے، اور وہ اپنی کوٹھڑی میں بھی اور سیڑھیوں
پر بھی شیر کیطرح غرایا کرتا تھا۔ رات کے وقت تو اسکی کوٹھڑی میں کبھی کوئی گیا ہی نہیں اگر
کسی کو کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تھا۔
وہ مجذوب لوگوں کو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہید نے ایکروز
اسکی دکان میں جانیکا ارادہ کیا۔ احباب نے منع کیا مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی اور دُکان
میں پہنچ گئے۔ مجذوب مولانا کو دیکھ کر اسقدر زور سے غرایا کہ کبھی اسقدر نہ غرایا تھا۔ مخالفین تو
بہت خوش ہوئے کہ آج ان پر مجذوب کی مار پڑیگی، اور یا تو مر جائینگے یا دیوانہ ہو جائینگے،

لہ اس پر شعر یاد آگیا ؎ آہن کہ بپارس آشنا شد * فی الحال بصورت طلا شد (اشرف علی)
لہ یعنی اُس کے تصرف باطنی سے کوئی سخت گزند پہنچے گا۔ (فائدہ) مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ ناقص کو کبھی دنیوی
ضرر اور کبھی دینی ضرر پہنچ جانا محتمل ہے۔ (اشرف علی)

اور کہا کہ حضرت ہمکو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے۔ چنانچہ گومتی کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا۔[1] یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے بیان فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب بیشک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بہت کرتے تھے مگر اُنسے اس کی تصدیق کا موقع نہیں ملا۔ مگر مولوی محمود علی چھلتی نے اس قصہ کی تصدیق کی۔

حکایت (۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ میں نے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے اور غالباً ان بیان کرنیوالوں کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی اسلئے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا صرف چند آدمیوں کے لکھواتا ہوں۔ حکیم خادم علی صاحب، مولوی سراج محمد صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری، مولوی عبدالقیوم صاحب، میانجی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سنا ہے۔ مگر جو مجھے بسند متصل یہ قصہ پہنچا ہے تو اس میں اور دوسرے لوگوں کی روایت میں کچھ ذرا سا فرق ہے۔ اب میں قصہ سناتا ہوں (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی میر خاں صاحب ایسی خانپوری ان لوگوں میں سے ہیں جنکی روایت پر خود انکی صورت شاہد تھی اور اسکے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب (مولوی محمد اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے۔ جب مولانا اسحٰق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت ہجرت کی ہے تو یہ سانڈنی پر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ردیف ہو کر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب سے اُن کے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے۔ انہوں نے ان کے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں

[1] اس کرامت کا اختیاری ہونا لازم نہیں آیا لیکن ہے اس وقت ماذون ہوں۔ (اشرف علی)

ایسا ہے۔ مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ اُنسے مل کر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے وعظوں کی وجہ سے دلی کے شہدے اور بدمعاش آپکے یہاں تک دشمن ہوگئے تھے کہ اُن کے قتل کی فکر میں تھے۔ اسلئے ہم لوگ انکی بہت حفاظت کیا کرتے تھے۔ (اصل قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے) ایکمرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازے کو چلے جو قلعہ کی جانب ہے۔ میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں اسوقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا۔ اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤنگا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جا رہا ہوں، تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چل دیے۔ میں بھی ذرا فاصلے سے اُنکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اسکا نام موتی تھا۔ مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی۔ تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں۔ وہ لونڈی یہ سنکر چلی گئی اور جاکر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ رنڈی نے کچھ پیسے دیے اور کہا کہ جاکر دیدے۔ وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے۔ اس نے جاکر کہدیا۔ رنڈی نے کہا کہ اچھا بلا لے۔ وہ بلا کر لے گئی۔ مولانا جاکر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپنے سورۃ والتین ثم رددناہ اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جاکر مولانا کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مولانا نے اسقدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا۔ اس رنڈی کے یہاں بہت سی اور رنڈیاں بھی تھیں اور اُن

یا مذہب اہلسنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا
پکے سُنی تھے جیسے اہلسنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اسکا جواب ہو تو
جواب دے ورنہ میں مذہبِ تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بھائی بھی
ہو گا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی
جواب دیں ورنہ میں سُنی ہوتا ہوں۔ اسکا بھی کچھ جواب نہ ملا۔ آخر وہ منبر پرسے اُترا اور مولانا
سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ اب آپ وعظ فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو
مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی ہیں ایسی نہ کرتا اسلیے اب مجھے کہنے کی
ضرورت[۱] نہیں رہی۔ یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب سُنی ہو
گئے تو انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور مولانا کیساتھ ہو گئے اور انہی کیساتھ رہے یہاں
تک کہ جہاد میں مولانا کیساتھ شہید ہو گئے۔

حکایت (۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا
اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اسلیے وہ سیّد صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے
تھے بلکہ الگ جگہ ٹھہرا کرتے تھے اور سیّد صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے
جب سیّد صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سیّد صاحب کے جہاز میں
نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوتے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی
صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی
صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے۔ ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا رنگت کالی تھی

[۱] یہ تھا اخلاص فی النیت والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا جب دوسرے شخص کیواسطے سے حاصل ہو گیا گو وہ عامی
تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا اور نہ طالبان جاہ اس ہیٹی کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ یہی حقیقت
حضرت علی خواصؒ کے ارشاد کی، علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت وتلقین
اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنیوالا آجائے تو یہ طالبوں کو اس کی طرف متوجہ کر دے اھ یہ وہی کر سکتا ہے جس کو
اور ترفع مقصود نہ ہو۔ (اشرف علی)

ابتدا میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انہوں نے تقویت الایمان کا
رد بھی لکھا تھا۔ اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور
قوم کے ارائیں تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے۔
مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی
ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان میں شرک کی دو قسمیں
کی ہیں ایک جلی دوسرے خفی۔ مولوی وجیہ الدین صاحب اسکو تسلیم نہ کرتے تھے اسپر اُنسے
اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے۔ اسپر مولوی وجیہ الدین
صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انہوں نے مولانا کے رد
میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اُس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار
بن گئے۔ یہ مولانا وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کیساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج
کیلیے آٹا پیسا کرتے تھے۔ آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ کبھی آٹا اُنکے
منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔ اُنکے علاوہ مولانا اور حاجیوں
سے بھی ہنسی مذاق[۱] کرتے تھے۔ میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا
اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اسلیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی
مجھے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک
بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاق سے ہوا ناموافق ہو گئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اسلیے جہاز
والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملیگا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا۔
اسکے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے

[۱] ذیہ۔ لا یسخر قوم من قوم کے خلاف کا شبہ نہ کیا جاوے۔ اسکا محل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہے اسکو حقیر سمجھے
پس اسکی علت میں عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ارشاد فرمایا اس کی قطعی دلیل ہے اور مطائبات کی شرط یہ بھی ہے
مزاح کا ایک شعبہ ہے۔ (اشرف علی)

اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ اب ان لوگوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہذا اسکو روکنا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں۔ اسکی اطلاع مولوی وجیہ الدین اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمت وشان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ تم کو چاہیے کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے معافی چاہو اور اُن سے دعا کی درخواست کرو۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چلتی نہیں۔ اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مستقلی حلوا کھلاؤں گا۔ اسکی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کیساتھ ملکر دُعا کی جسکا اثر اُسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبا و چوڑائی میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ مولانا نے اسکو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو دیکھو کیسا ہے۔ لوگوں نے چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لیے۔ جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہوگیا اور اسکے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چلتی۔ اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر

آپ نے سب لوگوں کیساتھ ملکر موافقتِ ہوا کی دُعا کی اور ہوا موافق ہوگئی۔ جہاز کا لنگر کھول دیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حکایت (۵۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سُنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لیکر خانہ کعبہ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کیساتھ عورتیں داخل ہوں گی تو ہم تلوار سے سر اُڑا دیں گے۔ اس پر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور اُنکے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترک داخلہ کو بند کرا کے چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سنا ہے اسکے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملاجیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا ہے اسوقت بھی مردوں عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاجیون نے اسکو روکا تھا۔ مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترک داخلہ کب سے جاری ہوگیا جسکو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حکایت (۵۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا اسکے بعد مولانا نے اسکو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحاق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین

ع یہ تہدید تھی مراد نہ تھی۔ (اشرف علی)

صاحب مراد آبادی، مومن خاں، عبد اللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی) و مولانا ممولک علی صاحب بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اسمیں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اسوقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔ اسلئے میں اس کام سے معذور ہوگیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائیگا نہیں۔ اسلئے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہوجائینگے۔ یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کیجاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں علوی اور مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ پھر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح اسکی اشاعت ہوگئی۔ اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے یا اس سے کم دہلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب سادات میں۔ چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے۔

[illegible]

حکایت (۶۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویۃ الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں ڈھائی لاکھ آدمی درست ہوگئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اسکا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حکایات (۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی مبارک اللہ صاحب اندھمن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا۔ وعظ کے بعد انسے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تقویۃ الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا میرے سامنے مولوی مبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویۃ الایمان شائع ہو کر اندھمن میں آئی ہے تو لوگوں میں اسکا چرچا ہوا پھر لوگ مخالف ہوگئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں۔ اسوقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے۔ انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ [illegible] روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لیے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو یہ تو بتلاؤ کیا بات ہے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے اسپر یہ مباحثے ہوتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ۔ ہم نے تقویۃ الایمان اول سے آخر تک سنائی۔ اسکو سن کر آپ نے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کرو اسوقت میں [illegible] رائے ظاہر کرونگا۔ ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ میں ابتک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کر رہے تھے اور کر رہے تھے انکی باتیں بالکل میرے جی کو اچھی نہ لگتی تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اسوقت گمراہی میں مبتلا ہے اور

[illegible]

[illegible] از ملفوظات [illegible]

میری ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا مگر کنویں میں جا گنگ پڑی ہوئی تھی نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کا احسان ہے کہ انہوں نے پانی اور کیچڑ کو الگ کر دیا اور سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھاگنا ہی پڑے جاؤ۔

حکایت (۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے انکا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اس میں بیٹھا کرتے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے انکی خدمت میں پہنچے اور ان کو وہ اپنی تحریرات سنائیں جو انہوں نے مولانا شہید کے رد میں لکھی تھیں اور اُنسے انکی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی۔ اتنے میں جماعت تیار ہوگئی مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کریں گے۔ مولوی فضل رسول کیساتھ ایک شخص بھی تھا۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہ انکا ساتھی نہیں اٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا۔ جب مولوی صاحب نماز پڑھ کر تشریف لائے تو اُسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا۔ اسپر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کتنے دنوں سے ہیں۔ انہوں نے مدت بتائی۔ اسپر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپ کے موافق لکھ دوں گا مگر الحمد للہ کہ اسوقت نماز کی برکت سے مجھپر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اسکے

خوب کیا اچھا فیصلہ ہے۔ (اشرف علی)

نسلمان (نمازی) ابھی نہ بنا سکے۔ اور مولوی اسمٰعیل جسطرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دیندار بنا گیا ہے پس قابل تکفیر تم ہو۔ نہ کہ مولوی اسمٰعیل۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ میں کچھ نہ لکھوں گا۔ اسپر وہ بے نیل و مرام واپس ہوگئے۔ یہ قصہ بیان کرکے خانصاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا۔ حالانکہ وہ بڈھا ہو گیا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی بٹیر بازی مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

حکایت (۶۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانیکا ارادہ ہوا۔ یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا۔ جب علماء رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جسطرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جائے۔ اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کیلئے منتخب بھی کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چلکر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی اور اُن لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کا رامپور تشریف لیجانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء اُن کے خاص طور پر درپے ہیں۔ اسکے بعد وہ خاص طور پر

ف اس بنا پر نہیں کہ تمہارا اثر ساتھی پر نہ ہوا بلکہ اس بنا پر کہ اتنے بڑے خادم اسلام کی تکفیر کی جو بموجب حدیث موجب تکفیر ہے۔ پس حدیث کے جو معنی بھی ہیں اسی معنی کر یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی۔ (اشرف علی)

مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور اُنسے خصوصیت کیساتھ اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لیجاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ آپکا احسان ہے کہ آپنے ہم لوگوں کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپکے ممنون ہیں لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکی وجہ سے اتنی پریشانی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کرینگے یا منقول میں، تو جو بات ہمیں معلوم ہوگی ہم اسکا جواب دینگے اور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہیں جانتے۔ اور اگر وہ معقول میں گفتگو کریں گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی دی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گوہ اُچھالینگے اس کے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گوہ اُچھالینگے۔ دیکھیں وہ کہاں تک چلتے ہیں۔ غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رامپور پہنچے۔ جب وہ رامپور پہنچے ہیں، تو حسب قرار داد باہمی علماء رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرے کیلئے بھیجا۔ اُنہنے پہنچ کر مولانا سے سوالات شروع کیے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا۔ یہ گفتگو تین روز تک رہی۔ جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے، اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کروں۔ انہوں نے اجازت دی۔ مولانا نے صرف چار سوال کیے، دو معقول کے اور دو منقول کے، مگر ان کو جواب نہ بن آیا۔ اسلیے انہوں نے مہلت چاہی کہ میں کل جواب دونگا آپ نے اجازت دیدی۔ اگلے دن صبح کی نماز کے وقت اُن کا حجرہ نہ کھلا۔ لوگوں نے نماز کیلئے اٹھانا چاہا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اُتار

ف: یہ ہے ادب مشیر کا کہ اگر اسکے مشورہ پر عمل نہ بھی کیجاوے تب بھی اس کی شکر گذاری کرے۔ یہ نہیں کہ اس کو رد کرنا شروع کردے جیسا آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے۔ ف: یہ ہے ادب علم دین کا کہ جو بات معلوم نہ ہو بے تکلف لا ادری کہدے یہ نہیں کہ اپنے جہل کو مختلف ایچ پیچ سے چھپاوے جیسا کہ آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے۔

کر اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انہوں نے سر میں پتھر مار کر خودکشی کرلی ہے۔

حکایت (۶۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے۔ اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جارہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں اسپر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا اور وہ تلوار نکال کر اسکے مارنے کو دوڑے۔ مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو وہ گالیاں تھوڑا ہی دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بد دین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔ سو اسمیں وہ کیا بیجا کہتا ہے میری باتیں اس کیلئے تو واقعی نئی ہیں علماء نے یہ باتیں ان بیچاروں کہاں سُنائی ہیں پھر اسکو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اسکا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے مولانا کا دوست ہوگیا۔

حکایت (۶۵) خانصاحب نے فرمایا کہ اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک پتھر نیچا ہوگیا تھا اور برسات کے موسم میں اسمیں گارا کیچڑ ہوجاتا تھا سب نمازی اپنے کپڑوں کو بچانے کیلئے اسکو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اسوجہ سے صف میں

ف: عیاذاً رسوائی کا خوف کیا، مگر اس رسوائی سے نہ بچے جبکہ اس قصے کی شہرت عام ہوگئی۔ یہ تو دنیا کا خسارہ ہوا کہ جان اور جاہ دونوں برباد ہوگئے، اور آخرت کا خسارہ کہ خودکشی پر استحقاق مواخذہ ہے یہ جُدا رہا۔ اخیر کے دجلان میں خسارہ دارین سزا ہے اہل اللہ کیساتھ عداوت اور آویزش کی بقول عارف شیرازی ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ۔۔۔ با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

ف: آپ نے لڑنے کے سبق پر نظر فرمائی جو دینی مسئلہ ہے کہ جو نئی بات نکالے بد دین ہے اور صغریٰ ایک واقعہ ہے خود انکی ذات سے متعلق، اس میں کوئی دین کا ضرر نہیں اسلیے اسپر نظر نہیں فرمائی۔ رہا یہ کہ بیان ایک صغریٰ اور بھی ہے کہ فلاں عمل جو واقع میں سنت ہے نئی بات ہے اور یہ تغیر ہے شرع کی، سو یہ ایک فرعی غلطی ہے جو کہ اعمال میں ہے اصلی غلطی تو نہیں جو کہ عقاید میں سے ہے۔ مثلاً یہ سمجھا کہ جو نئی بات دین میں ہو وہ اچھی ہے اور فرعی غلطی سہل ہے۔

فرجہ رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب شہید خوش پوشاک [illegible]
ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے صحن [illegible]
فرجہ دیکھا، آپ اسی جگہ گارے کیچڑ میں بیٹھ گئے اور کپڑوں کا ذرا خیال نہ فرمایا۔

حکایت (۶۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے
حافظ عبدالعزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطباء نے جواب
دیدیا۔ انکے والدین کو اس وجہ سے تشویش تھی۔ اتفاق سے میاں جی نے خواب میں دیکھا
کہ مولوی اسمٰعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے ہیں اور میں مسجد کے [illegible]
ہوں اور میرے پاس عبدالعزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی
اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو راستہ
نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی[1] تھی اسلئے میں اسے مولوی اسمٰعیل
صاحب کی طرف کو لے گیا۔ جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا
تو انہوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھ کر اسپر دم کر دیا۔ اس خواب کے بعد جب آنکھ
کھلی تو انہوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبدالعزیز اچھا ہو گیا۔[2] اطباء غلط کہتے ہیں
کہ یہ نہ بچیگا۔ میں نے اسوقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ صبح ہوئی تو میاں عبدالعزیز
بالکل تندرست تھے۔

حکایت (۶۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود
پھلتی بیان فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب
کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کیساتھ ہوئی تھی۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا انتقال
ہو گیا۔ ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید قصبہ پھلت میں منبر پر کھڑے ہو کر نکاح ثانی کی

[1] ایسے شخص کو تحسین کا حق ہے۔ [2] اس سے خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے۔ (اشرف علی)

ترغیب دلا رہے تھے۔ پھلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے
اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر
پوچھنا۔ اور یہ فرما کر وعظ بند کر دیا اور منبر پر سے اتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہو گئے
اور دہلی پہنچ کر بہن کے پاس پہنچے۔ انکی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی
تھیں اور درد سر کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں۔ آپ نے اپنا عمامہ بہن کے
قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا۔
انہوں نے کہا کیا بات ہے۔ فرمایا کہ تم نکاح کر لو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار
نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے
وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اسپر وہ رضامند ہو گئیں اور انکا نکاح
مولوی عبدالحی صاحب[1] سے کر دیا گیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے
نکاح ہونیکے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو اُن سے صحبت کا کبھی اتفاق نہیں
ہُوا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اس وقت سے مولوی
اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاحِ ثانی تھا

حکایت (۶۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا
کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تم پر عاشق تھے اور سید صاحب
خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں پھر کیا
وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب
پر اتنے فریفتہ ہو۔ انہوں نے کہا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں
اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا

[1] خالص دین یہ ہے جو اُن زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظِ نفسانی کے محض احیاء سنت کیلئے نکاح کیا۔

میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلے۔ لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر انکا نکاح کروا دیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں لے

حکایت (۶۹) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتدا میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا، ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کا کھیلتے تھے۔ کنکوا بھی اڑاتے تھے، شطرنج بھی کھیلتے تھے۔ مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔

حکایت (۷۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اُس زمانہ میں اُن سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کیساتھ گئے۔ جب یہ دونوں میلہ میں پہنچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپنے کس لیے پڑھا تھا۔ کیا سواد کفار بڑھانے کے لیے۔ آپکو معلوم ہے کہ آپ اسوقت کہاں ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفار کے میلے کی رونق بڑھائے کسقدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ بجا فرماتے ہیں۔ واقعی میری غلطی ہے۔ اور یہ فرما کر فوراً لوٹ

لے اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گا ہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ۔ لے یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا۔ لے شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کسقدر مجاہدہ عظیمہ ہے۔ (اشرف علی)

آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حکایت (۷۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے۔ یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا اسلیے بادشاہ بھی اُن کا ادب کرتے تھے اور تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی اُن کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہلِ قلعہ اُن سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں۔ اور اس کیلئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جسمیں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی۔ اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے اُن کی بھی دعوت کی گئی۔ اور جو شہزادے وغیرہ اُن کے ہم مذاق نہ تھے اُن کو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کیطرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے۔ فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارھویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اسپر اوران کو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھیے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ ابتک نہیں آیا۔ اسپر وہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے ہیں اسوقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے۔ اُن کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی

آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے
تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے۔ آپ نے اسکا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا
یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں سلام۔ جب انہوں نے اس انداز سے
گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے سے
ان کے سلام کا جواب دیا اور اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سنا
ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا
بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے
ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے
ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں۔ اسپر بی چھکو نے حیرت
کے لہجہ میں پوچھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا جی ہاں چنانچہ وہ فرماتے
ہیں من احدث فی دیننا هذا ما لیس منه فهو ردٌّ اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل
فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو
گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کریگی تو اس حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لونگی
ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں۔ جب وہی منع کرتے
ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حکایت (۷۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی
یحییٰ صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرحیم صاحب (رانڈوں کی شادی والے) بیان کرتے
تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلہ ہوتا خواہ

لہ اس پر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے۔ قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ ابھی بھی
ہے باقی جیسے کی تصریح نہ کرنی مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ یہ لوگ بے ادب
سمجھتے ہیں۔ (اشرف علی)

کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے
اور کھڑے ہو کر وعظ کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل
ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے
تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے
اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت
ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے۔ اسپر
ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں اس کو قتل کروں۔ غرض یہ امر
طے پاگیا۔ ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے زینے کے در میں وعظ فرمارہے تھے کہ
اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا۔ سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست
کے لگی اور ان کا شانہ زخمی ہوگیا۔ خانصاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست
کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اسپر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے
اور تھپڑ وغیرہ مارے۔ مولانا نے اس بڈھے کو چھڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

حکایت (۷۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے
تھے کہ شاہ اسحاق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے
رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ
عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت
مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا
آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں مجھ سے
تو مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ

لہ حیلولۃ بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہ انتقام اپنی مظلومیت کا نہ تھا
مولانا کیلئے تھا اور تیقن تھا یہ کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کریں گے۔ (اشرف علی)

کرو اگر تم غالب آ گئے تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آ گیا تو اس کے ساتھ ہو
جاؤں گا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے اس
پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب
نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اسوقت دفع الوقتی فرما دی ہے مگر
یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب شاہ عبدالقادر صاحب
آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا
کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر
صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کریگا
اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اسوقت یہ جواب دیدیا
ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر
صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے
کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب
صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے
فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے من تمسک
بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ
کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ
عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب
نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی
نہیں سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابلہ میں خلاف سنت ہو اور

[illegible]

مانحن فیہ میں سنت کا مقابلہ خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ
جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب
نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حکایت (٤٧) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق
صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب
آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیدیتے اور بعض
اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی
آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں
اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے
مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی۔ اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی
میں آدمی واپس چلا گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے۔
اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا۔ چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل
صاحب کے طرز کے خلاف تھی اسلئے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل
عاجز آ گئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انہوں
نے کہا وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے۔ اسپر
ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرہ میں خلاف رہا چنانچہ گفتگو میں
مزاج مکدر ہو گیا تھا اسلئے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چلدیئے ؎

[illegible]

[illegible] مولوی فضل حق صاحب کا مخلص ہے جب مولوی فضل حق صاحب نے

حکایت (۷۷) مولانا اسمٰعیل شہید جب سید صاحب کے قافلہ میں حج کو جا رہے ہوئے ہیں تو راستہ میں لکھنؤ میں بھی قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی بیماری کی خبر معلوم ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ دہلی ابھی چلے جائیں اور وہاں پہنچ کر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں۔ اور مولانا شہید کو خاص اپنی سواری کا ترکی رنگ کا گھوڑا سواری کیلئے دیا۔ مولانا شہید ادب کیوجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ سید صاحب کا خاص گھوڑا ہے اور لکھنؤ سے دہلی تک اس کی لگام تھام کر آئے۔

حکایت (۷۸) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا شہید کا ذہن اس درجہ سریع الانتقال تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھلا کر پانچ مختلف مضامین لکھاتے تھے اور اس طرح بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رکتا تھا۔

حکایت (۷۹) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا رشید الدین خاں صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے رشید الدین کے نام سے یاد کیے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل شہید کو دینیات کیساتھ شغف ہے باقی معقولات کیطرف کچھ توجہ نہیں ہے (مطلب یہ تھا کہ مولانا شہید معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے) اتفاقاً مولانا شہید کو ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خانصاحب عیادت کیلئے تشریف لے گئے مولانا شہید فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی میں انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کیطرف ذہن منتقل ہوگیا اور ان

مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشید الدین خانصاحب بالکل ساکت رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو معقولات کیطرف کوئی توجہ نہیں۔ فرمایا کہ بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ [illegible]

حکایت (۸۰) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جسکا نام بی بی چھو تھا بڑی تیز مزاج تھی۔ اُنسے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسمٰعیل شہید بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا بلاؤ مولانا اسمٰعیل کو۔ وعظ کے بیچ سے بلا لیا گیا۔ مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے۔ آنیکے بعد معلوم ہوا کہ بی بی چھو سے کسی نے اس طرح سے لگایا ہے۔ مولانا نے بی بی چھو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام۔ انہوں نے کہا کہ اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تو بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ فرمایا کہ اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں۔ کہا یہ کیسے آپ نے کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار حدیث پڑھ کر اس پر ایک مبسوط بحث کی جس سے وہ تائب ہو گئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو ان کی ہی رضامندی کیلئے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

حکایت (۸۱) فرمایا کہ بی بی کی صحنک شاہ عبدالقادر صاحب کے گھر میں بھی ہوتی تھی۔ اس کے خاص آداب ہیں یہ کہ کھانے والی کوئی دو خصمی نہ ہو اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مرتبہ جب شاہ عبدالقادر صاحب کے یہاں

محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب [illegible]
تھے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت تنگی میں تھے اور تنگ-
دستی کی وجہ سے کچھ ملول سے رہتے تھے۔ لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی
نہایت ہشاش بشاش ہیں اور خوشی میں ادھر سے اُدھر آتے جاتے اور کتابیں یہاں
سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے
ہیں۔ میں یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے
یہ اس قدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں۔ مگر بڑے میاں صاحب
سے تو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ بہت خوش
نظر آتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا۔ میں
نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے یہ خوشی اس کی ہے۔ کیونکہ
جب تک وہ تھا ہمکو خدا پر پورا توکل نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے۔ اھ
جب خانصاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو احقر کو مومن خاں کی خوشی یاد آ گئی اور میں نے
یہ شعر پڑھا ؎

کیا یار کے آنے کی خوشی یا اجل کی ٭ کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جانِ حزیں کو

حکایت (۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ عبدالرحمن صاحب دہلوی کے
بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے۔ مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش
تھے حافظ عبدالرحمن بھی کسی قدر غیر مقلدی کیطرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت
میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبدالرحمن مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی

[illegible]

[illegible] خاں صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اُردو شاعری کے بڑے
اُستاد تھے مگر خدا کی شان کہ نہ ان کا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اُردو کا۔ دو شعر اُنکے
مجھے یاد ہیں، صرف اُنکی قابلیت دکھلانے کیلئے اُن کے شعر لکھواتا ہوں۔ غالب، اور
شہیدی کے جانی دشمن تھے۔ اسلئے اُن کے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ
غالب کہتا ہے ؎

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی ٭ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس کو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے ؎

بچھ گیا میں جو گھر میں وہ یا تم آئے ٭ زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا

شہیدی کے قصیدے کا شعر ہے ؎

ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے میرا یہی ایمان ٭ نہ مانو مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا

حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے ؎

ترا ثانی بامکانِ وقوعی[1] ہو نہیں سکتا ٭ نفی امکانِ مطلق[2] کی مگر ہے قول مرتد کا

غرض اسی طرح اسکے پورے قصیدے کو رد کیا ہے۔ یہ حافظ عبدالرحمن صاحب
بیان کرتے تھے کہ نواب میر خاں سے جب انگریزوں کی صلح ہو گئی تو اس صلح کے اندر
یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیر الدولہ کو ہم اپنے زیر نگرانی رکھیں گے مگر یہ انہیں اختیار ہو گا کہ
وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انہوں نے دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے بچپن سے
صالح تھے۔ مولوی غلام جیلانی رامپوری اُنکے استاد تھے۔ مولوی صاحب موصوف
مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے۔ چونکہ نواب وزیر الدولہ بچپن سے
نیک تھے اسلئے اُن کے پاس دہلی کے لڑکے جو اُنکے ہم عمر تھے بے تکلف آنے جانے

[1] یعنی ایسا امکان جس سے موصوف کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے [2] نہ بالذات نہ بالغیر۔ [3] فارسی کی ترکیب بضرورت شعر ہے۔ (اشرف علی)

گے۔ ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی خدمت میں حاضر
ہوا کرتا تھا اور حق گو بھی تھا۔ چونکہ عام طور پر اپنے استاد کی طرف خاص میلان ہوتا ہے
اسلئے وزیرالدولہ اپنے استاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص
بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر وہ لڑکا برابر ان کی تردید کرتا رہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپ
کے استاد ایسا عمامہ[1] باندھتے ہیں ایسا انگرکھا پہنتے ہیں ایسا پاجامہ پہنتے ہیں ایسا
جوتا پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں دہلی والے بیچارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں۔
دھوتر کا کرتہ پہنتے ہیں گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں ادھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں، مگر
باوجود اس کے آپ کے اُستاد کے علم کو اُن کے علم سے کیا نسبت، اُنکے علوم بہت
گہرے ہیں۔ خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال
کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے؟ مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ بُرا ہے ہرگز
نہیں بنانا چاہیے اس نے کہا کہ بنے ہوئے تعزیہ کی توہین کرنا مثلاً اسکو توڑنا پھوڑنا
اسپر پاخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیے ہاں اُسے
دفن کر دے۔ اسلئے کہ اسپر امام حسینؓ کا نام آگیا ہے۔ لہٰذا اسکا احترام کرنا چاہیے۔
یہ سُن کر وہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے بہت ادب سے یہ کہا کہ مولانا گوسالہ پر کس کا
نام آگیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ اسپر مولوی
صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب
وزیرالدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تھا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے
گہرے ہیں: میں صرف کبھی کبھی صرف میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب)
کے پاس جا بیٹھتا ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وزیرالدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہو

[1] یعنی عمدہ اور قیمتی۔ (اشرف علی)

گئے اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔

حکایت (۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے
کہ سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب
مولوی اسمٰعیل صاحب یہ حضرات سب کے سب متحد اور یکجان اور قوالب متعددہ
تھے، جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہو گیا تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب
کا جانشین کسی کو بنایا جائے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحاق صاحب سے
تیرہ برس بڑے تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس برس اور سید صاحب آٹھ
برس۔ ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ اسحاق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے اور
یہ طے ہو گیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحاق صاحب بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے اور
مدرسہ سے باہر جسطرح چاہیں بیٹھیں۔ پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں
صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحی
صاحب سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر
پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحی صاحب صدر پر ہوتے تھے
اور شاہ اسحاق صاحب اور دوسرے لوگ اُن کے سامنے باادب[2] بیٹھتے تھے اور
مولوی اسماعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر[3] ہوتے تھے نہ مدرسہ سے باہر۔

[1] حکایت نمبر (۵) میں القاب سے اور حکایات (۵) میں صریح الفاظ سے شاہ محمد اسحاق صاحب کا بڑا ہونا مذکور
ہے اور یہاں اسکا عکس ذہن میں امر اوّل ہی تھا پھر اس تعارض کو دیکھ کر مکرمی عبدالعلی صاحب سے بواسطہ
حافظ محمد عثمان تحقیق کیا گیا۔ امر اوّل ہی صحیح ہے۔ اس مقام پر کچھ سہو ہوا ہے خواہ اصل راوی کو خواہ کاتب
کو۔ چونکہ دوسرے سب حضرات مذکورین مقام بڑے تھے تغلیباً ان کا بھی شمار ان میں بلاقصد ہو گیا مراد
یہ ہوگی باوجودیکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی کسی دوسری وجہ سے ترجیح ہوگی مثلاً ان کا مصلحت اندیش
ہونا، جیسا ایک حکایت سے سفارش نہ کرنے کی مصلحت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے، مگر پھر بھی انکو مخترع
نہیں کیا گیا ۱۲ [2] اسوقت اسمیں مصالح دینیہ ہونگے اور اب تو محض رسم مفاسد سے پُر رکھی ہے اسلئے نہ اوّل
کو ثانی پر عدم جواز میں اور نہ ثانی کو اوّل پر جواز میں قیاس کیا جاوے۔
[3] کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا۔ تکلّے سے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد۔ (اشرف علی)

حکایت (۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کو بہت نفع کی
بواسیر تھی اور اس کی وجہ سے آپکو بہت تکلیف تھی۔ کسی شخص نے بواسیر کا عمل بتلایا کہ
کی سنتوں میں الم نشرح اور لایلف پڑھ لیا کرو۔ مگر شاہ صاحب نے اسکو پسند نہ فرمایا
اسپر مولوی مظفر حسین صاحب اور نواب قطب الدین خاں صاحب وغیرہ نے زور
دیا کہ آپ یہ عمل ضرور کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اول تو ہم نیک عمل ہی نہیں کرتے
ٹوٹے پھوٹے فرض اور سنتیں پڑھ لیتے ہیں انمیں بھی ہم خواہش نفسانی (اور دنیوی
غرض) کو داخل کر دیں اور عبادت کو (دنیوی) عمل بنالیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا

حکایت (۹۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میں نے بہت سے لوگوں
سے سنی۔ منجملہ ان کے مولوی سراج احمد صاحب خورجوی، میانجی عظیم اللہ صاحب
خورجوی اور میانجی رحیم داد صاحب خورجوی ہیں۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ
گھر میں کسی شہزادے نے مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور
انکے خاص لوگوں کی دعوت کی اور انکے ساتھ ہی انکے مخالفین جیسے حاجی قاسم اور
مولوی کریم اللہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ جب یہ سب لوگ
دسترخوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے رکھا گیا اور ان لوگوں نے کھانے کیطرف ہاتھ
بڑھائے تو اس شہزادے نے کہا کہ صاحبو! میں آپ صاحبوں کو اطلاع کرتا ہوں
کہ میراں کا بکرا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے اسپر
مولوی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور آپکی جماعت نے ہاتھ
کھینچ لیے[1] جب مخالف پارٹی نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیے۔ اسپر اس
شہزادے نے کہا کہ مولوی اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب تو اسکو حرام

---

[1] کس قدر دقیق اخلاص و تقویٰ ہے۔ (اشرف علی)

کہتے ہیں انہوں نے تو اسلیے ہاتھ کھینچے، آپ لوگ تو اسے جائز کہتے ہیں آپ نے
کیوں ہاتھ کھینچے، آپ صاحب کھائیں۔ مگر کسی نے نہ کھایا۔ اسپر شہزادے نے
کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میراں کا بکرا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ صرف امتحان
کیلیے کہا تھا کہ دیکھوں کون اپنے خیال میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اب مجھے معلوم ہو
گیا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ صاحبان بے تکلف کھائیں۔ مگر حکم دیا کہ جو جو
شخص اسکو حلال کہتا ہے اسکو دسترخوان سے اٹھا دیا جاوے۔ اسپر حاجی قاسم اور
مولوی کریم اللہ کی جماعت کو اٹھا دیا گیا اور شاہ اسحاق صاحب کی جماعت نے
کھانا کھایا۔

حکایت (۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبد الجلیل صاحب علیگڑھی
کے صاحبزادے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے والد مولوی عبد الجلیل
صاحب اپنے زمانہ طالب علمی میں شاہ اسحٰق صاحب کی مسجد میں رہتے تھے اور
اس زمانہ میں فتحپوری کی مسجد میں ایک عالم رہتے تھے جن کا نام آخوند شیر محمد تھا۔
میرے والد سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز شمس بازغہ کی ایک
عبارت کا مطلب انکی سمجھ میں نہ آیا۔ اور وہ جس مسجد میں رہتے تھے اسی مسجد میں
ایک مقام پر بیٹھے ہوئے اس عبارت میں غور کر رہے تھے۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق
صاحب بھی اسی وقت مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ شاہ صاحب نے انکے پاس آکر
دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے بڑے مصروف ہو کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد
صاحب نے اسپر کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ہاں کر کے ٹال دیا۔ شاہ صاحب نے

---

[1] یہ ہاتھ کھینچنا ہیبت حق کے رعب کی دلیل ہے اسی طرح اس کی بھی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے اہل ہوا بھی غنیمت تھے کہ علی تقویٰ کو اپنی بات کی پچ کیلیے نہیں چھوڑا۔ یہ بات بھی قابل قدر ہے اور احقر نے استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قصہ میں اتنا اور سنا تھا کہ ان صاحبوں نے یہ بھی کہا کہ حرام تو ہم بھی سمجھتے ہیں مگر ان [illegible]

دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے ہمیں تو بتاؤ کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد صاحب نے پھر ٹالدیا۔ شاہ صاحب پھر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور والد صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار سے پوچھا کہ میاں بتاؤ تو سہی کہ یہ کیا کتاب ہے اور تم اسمیں اتنے مصروف کیوں ہو۔ تب والد صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے۔ میں ایک مقام میں الجھا ہوا ہوں اُسے سوچ رہا ہوں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کونسا مقام ہے۔ انہوں نے اس کا جواب بھی لاپروائی سے دیا۔ جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے اصرار کیا تب انہوں نے ان کو وہ مقام دکھلایا (وجہ ان کی بے التفاتیوں کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ شاہ صاحب اور اُن کے خاندان والے لوگ معقول نہیں جانتے) شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ تمہارے اُستاد نے یہ بتلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہوگے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اسپر شاہ صاحب نے اسکا صحیح مطلب بتلایا اور عبارت پر اُس کو منطبق فرما دیا۔

حکایت (۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا کہ میاں عبدالقادر اسحٰق کیطرف بھی توجہ فرما دینا۔ اسکا جواب شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ دیا کہ حضرت اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے[1] وہ بلا ذکر و شغل بوجہ اپنی ریاضت ہی کے اُن لوگوں سے بڑھا ہوا ہے جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں۔ غرض شاہ صاحب نے

---

[1] اس جواب کی حقیقت وہی ہے جو محققین فرماتے ہیں کہ مقصود اصلی نسبت احسان ہے خواہ اعمال شرعیہ سے حاصل ہوجاوے خواہ اشغال صوفیہ سے۔ رہا یہ کہ پھر بڑے شاہ صاحب نے توجہ کا کیوں مشورہ دیا سو یا تو حضرت شاہ صاحب کو کمال نسبت احسان کی اطلاع نہ ہوگی یا اسکی تقویت دوسرے طریق سے بھی تجویز فرمائی ہوگی۔ (اشرف علی)

چند مرتبہ فرمایا مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

حکایت (۹۶) خانصاحب نے فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں دلّی میں ایک عرب عالم تشریف لائے۔ ایک امیر نے اُن سے مولود پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے منظور فرمالیا۔ اسکے بعد وہ امیر شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے یہاں میلاد ہے حضور بھی تشریف لائیں۔ اگر حضور تشریف لائینگے تو میں ان عالم مولود خواں کو سات سو روپے دوں گا ورنہ کچھ نہ دوں گا۔ جب مولود کا وقت ہوا شاہ اسحاق صاحب اس محفل میں شریک ہوئے۔ محفل سادہ تھی روشنی وغیرہ حد اسراف تک نہ تھی اور قیام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ذکر میلاد منبر پر پڑھا گیا تھا۔ اسکے بعد جب شاہ صاحب حج کو تشریف لیجاتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں تو وہاں اُنکے ایک شاگرد نے جسکا نام غالباً عبدالرحمٰن تھا ذکر میلاد کروایا اور اُس نے بھی شاہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی۔ شاہ صاحب اسمیں بھی شریک ہوئے۔ اس محفل کا رنگ بھی اُس امیر کی محفل کے قریب قریب تھا اور یہاں بھی نہ قیام ہوا تھا اور نہ روشنی وغیرہ زیادہ تھی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے بدعت کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔[1] (یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ صرف اتنا ہی سُنا ہے، نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ شاہ صاحب

---

[1] حضرت یہ سمجھا کہ محفل تو اس رنگ سے فی نفسہ بدعت نہ تھی مگر ایسی ہی محفل کا اگر رواج ہوجائے تو شدہ شدہ مفضی الی البدعت ہوسکتی ہے۔ تو شاگرد کی اس محفل میں تو کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے اس افضاء پر نظر فرما کر نکیر فرمایا اور شرکت اباحت پر نظر کرکے فرمائی۔ خاصکر جب شرکت میں یہ مصلحت بھی ہو کہ نکیر کا اثر زیادہ ہوگا اور نہ عدم شرکت میں عدم مشاہدہ کے وسوسہ سے اثر کم ہوتا اور امیر کی محفل میں نہ ضرورت تھی ان مسافر صاحب کی اعانت ہوجانے کی۔ اسلئے نکیر نہیں فرمایا صرف اباحت پر نظر فرمائی واللہ اعلم (اشرف علی)

حکایت (۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اعظم علی صاحب کو اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ تین وقت کا فاقہ ہوا۔ جب وہ شاہ اسحٰق صاحب سے سبق پڑھنے بیٹھے تو ان کی آواز میں کمزوری پائی گئی۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ بھوکے ہیں۔ آپ فوراً مکان میں تشریف لیگئے اور وہاں سے کھانا لائے اور مولوی اعظم صاحب کو الگ لیجا کر بلا کر کھانا کھلایا اور اس دن سے ان کا کھانا اپنے یہاں کر لیا۔

حکایت (۱۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ قاسم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب یہ چاروں ماموں پھوپھی خالہ زاد بھائی تھے ان میں سے شیخ قاسم علی صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ شاگرد تھے اور ان پر نہایت فریفتہ تھے۔ میاں جی محمدی صاحب سید صاحب کے مرید اور ان پر عاشق تھے حکیم خادم علی صاحب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر دیوانہ تھے شیخ فیاض علی صاحب شاہ اسحٰق صاحب پر فریفتہ تھے۔ شیخ فیاض علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر [illegible] سے شاہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایک [illegible]
[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فہو الرجل الصالح بنوا علیٰ قبرہ مسجدا اتخذ صوروا فیہ تلک الصور اولئک اشرار خلق اللہ متفق علیہ اور اس لیے اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے تھے، اونا ورا ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنوانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہ چاہیے۔ اُس نے کہا کہ پھر آپ کے نانا نے کیوں بنائی ہے آپ نے فرمایا یہ اُن سے پوچھو میرا مسلک یہی ہے۔

حکایت (۱۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب اربعین مائۃ مسائل کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ نواب زمان خان دیتہ ولی بھیکم پور کے رئیس تھے انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے سوالات کیے تھے اُن کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شہزادوں اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپس میں مشورہ کر کے اور سوالات ترتیب دیکر کیے تھے اور یہ قید بھی لگا دی تھی کہ ان کے جوابات صرف فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونے چاہئیں ان کا جواب شاہ صاحب نے مولوی نور الحسن کاندھلوی کے سپرد کر دیا اور انہوں نے شاہ صاحب کی طرف سے[1] ان کا جواب لکھا۔ اس کتاب کا نام مائۃ مسائل ہے اور اربعین اور مائۃ مسائل کے بعض بعض مسائل میں جو آپس میں کسی قدر اختلاف ہے مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین میں فتویٰ حرمت ہے تو مائۃ مسائل میں مکروہ اونحو ذلک۔ اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اسلئے انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق جوابات دیے ہیں۔ اور مائۃ مسائل کے جوابات میں اصل مجیب یعنی مولوی نور الحسن صاحب اور شاہ صاحب جن کی طرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے۔ اسلئے جسقدر تصریح ان علماء کے کلام میں ملی،

[1] کیونکہ توکیل فی التصنیف بھی جائز ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ سے فرمایا تھا وھذا یجیبک عنّی [illegible]

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۰۴) ایکبار فرمایا کہ جب مولانا اسحاق صاحب کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے ہیں کچھ معلوم نہیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس جاؤ انہوں نے نانا صاحب (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب) سے یہ سب دیکھا ہے سو باوجودیکہ شاہ اسحاق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحاق صاحب ہی درجہ میں بڑھے ہوئے تھے اور انکی وجہ زیادتی علم دین ہے۔ [illegible]

مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر کی حکایات

حکایت (۱۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ دلی کے ایک شہزادے نے جسکا نام اسوقت مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ ایک گھڑی آسمان سے میری طرف آرہی ہے میں نے اٹھ کر اُس گھڑی کو لپک لیا جب وہ میرے ہاتھ میں آئی تو اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ گھڑی نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اتری ہوئی مسلّم مرغی ہے جس کے پنجے بھی موجود ہیں اور وہ پانی میں تر ہے۔ اس خواب کو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے سن کر سکوت کیا میں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر فرمائیے تب آپ نے فرمایا کہ [illegible] مجھے اسکا علم نہ تھا [illegible] سے تحقیق کیا [illegible] میں نے عرض کیا کہ حضرت [illegible] حمل ہے تو آپ نے فرمایا

[illegible] (اشرف علی)

لڑکا پیدا ہوگا مگر پانی کے صدمہ سے مر جاویگی۔ جب ایام حمل ختم ہوئے تو لڑکی پیدا ہوئی جب ہم واپسی میں جہاز میں سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر میں طغیانی آئی اور اسکا اچھال مجھپر اور اسکی ماں پر اور لڑکی پر گرا۔ لڑکی دو تین سسکیاں لیکر مر گئی۔

حکایت (۱۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ میں جمنا پر کھڑا ہوں اور اسکی سیر کر رہا ہوں اتنے میں میرے منہ سے ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف منہ کرکے بولنے لگا۔ میں نے اس خواب کو چھوٹے میاں صاحب (مولوی محمد یعقوب صاحب) سے بیان کیا انہوں نے کوئی تعبیر نہیں دی اور فرمایا کہ سوچوں گا۔ وہ (عزیز) اٹھ کر چلے گئے۔ مگر میں (شہزادہ) بیٹھا رہا۔ میں نے (شہزادے نے) عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہے۔ فرمانے لگے کیا کہوں ایمان اُن کے اندر نہیں رہا اور وہ جو اس کی طرف دیکھ دیکھ کر بول رہا ہے وہ اُسے چڑا رہا ہے۔ وہ عزیز تھوڑے ہی دنوں کے بعد دہریہ ہو گئے۔

حکایت (۱۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی قلب کے اندر جو باریک چور ہوتے ہیں اُنسے خوب واقف تھے۔

حکایت (۱۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے اور مولانا نانوتوی سے فرمایا کہ کل کو ہم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس چلیں گے اور اُن سے نسبت صلوٰۃ اور دورۃ [illegible] حاصل کرینگے چنانچہ اگلے دن حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی تو تشریف لیگئے مگر مجھے یاد نہ رہا تھا اسلئے میں

خانوادہ عالی کے [illegible] یا اختیار صالح کے انتخاب سے جیسے ہمارے زمانہ میں بہت لوگ دوسری قسم کے [illegible] کو مسلمان کہتے ہیں مگر صرف کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ [illegible] تو اپنے وقت کے غزالی بھی تھے [illegible] کامل ہے اپنے مریدوں کو ساتھ لیجا کر کسی ڈھنگ سے کچھ حاصل کرنا۔ (اشرف علی)

نے چھ مہینے تک تعلیم حاصل کی۔ چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب کے خاندان میں کسی کے
یہاں شادی کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر
صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ تانا جا رہا تھا۔
اس مقام پر ایک نیم تھا جسکی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا بلکہ اسمیں جھول پڑتا
تھا۔ اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے۔ جب آپنے یہ رنگ دیکھا
تو کرتہ کو کمر سے باندھ کر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھ کر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل
ٹھیک تن گیا اور جھول بالکل نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ وضع شاہ عبدالقادر صاحب کو
پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے۔
شاہ صاحب نے فرمایا کہ لیجاؤ۔ اور سید صاحب سے کہدیا کہ میاں عبدالقادر کے پاس جاؤ۔
شاہ عبدالقادر صاحب ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھ
دیا اور اشغال کیلئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس
حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے اور جو جگہ
شاہ عبدالقادر نے ان کو بتا دی تھی سید صاحب خواہ مینہ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی
جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جبتک شاہ صاحب نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اس
وقت تک نہ اٹھتے تھے۔ شاہ صاحب نے ڈھائی برس تک سید صاحب کو اپنی خدمت
میں رکھا اور پھر ان کو لیکر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب
سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ
میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب انکو بیعت کی اجازت دیدو شاہ

ف اگر شیخ مرید کو کسی کے سپرد کردے تو اسکے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خودرایوں کی عادت ہے۔
ف یہ عبدالقادر شیخ۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو ان حضرات کو درویشی کا منکر اور بزرگوں کی شان میں بیجا
کلمے کہتے ہیں۔ آئیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ (اشرف علی)

عبدالقادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دینگے اور انہی سے آپ
ہی کا سلسلہ چلے گا۔ شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

حکایت (۱۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب
سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصور شیخ کی تعلیم
کی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصور شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس
طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اسکا موقوف علیہ نہیں ہے تو اختیار طریق میں (کچھ
مضائقہ نہیں۔ مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ طریقت
اس پر موقوف نہیں ہے تم تصور شیخ نہ کرو۔

حکایت (۱۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے
تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحاق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سید صاحب جب تشریف
لائے تو انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ
نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے مشکوٰۃ بھی
شاہ صاحب سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔
یہ قصہ تو میں نے اپنے استاد سے سنا ہے۔ اور مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے
کہ جب سید صاحب تعلیم علوم حاصل کر رہے تھے اثنائے تحصیل میں انکی کیفیت

ف یہ ہے غلبۂ حق [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (اشرف علی)

ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو انکی نظر سے حروف غائب ہو جاتے تھے۔ اس
کیلئے طبیبوں کیطرف بھی رجوع کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ یہ قصہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی
خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جما کر
دیکھو کہ وہ بھی تمہاری نظر کے سامنے سے اڑتی ہیں یا نہیں۔ سید صاحب نے اسکا تجربہ
کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اڑی۔ اسکی اطلاع شاہ صاحب سے کی
تو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اس پر کسی خادم نے (جس کا نام مجھے یاد تھا مگر اب
بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے اور آپ نے پڑھنا چھوڑنے کا حکم دیا۔
آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اسلیے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اڑتی ہوں
تو جانا جاوے کہ مرض ہے اور اسکا علاج کیا جاوے۔ جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں
نہیں اڑتیں تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری ان
کی قسمت میں نہیں ہے۔ لہذا میں نے کہہ دیا کہ پڑھنا چھوڑ دو اور فرمایا کہ ان کو علم
پڑھنے سے نہ آئے گا بلکہ علم لدنی حاصل ہوگا۔

حکایت (۱۱۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں بیان کروں گا میں نے
اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب جب
سہارنپور تشریف لے گئے تو بوبنی کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھ کر وعظ
فرمایا ان کے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبدالقیوم صاحب ابن جناب مولوی عبدالحی
صاحب بیٹھے ہوئے تھے کیونکہ اس وقت بچے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی
عبدالحی صاحب اور مولوی اسمعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وعظ جب
نصف سے زیادہ ہوگیا تو مولوی عبدالحی صاحب نے مولوی اسمعیل صاحب کو

[illegible]

اشارہ سے اٹھایا اور اٹھا کر اس طرف لے گئے جس طرف قبریں ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے
گیا اور وہاں جا کر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور
میں نے اور تم نے اسکو لکھ بھی لیا ہے۔ لیکن اسوقت جو کچھ فرما رہے ہیں یہ تمہاری
سمجھ میں بھی آتا ہے یا نہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے۔ اسپر
مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے بہت زور لگایا مگر میری
سمجھ میں نہیں آیا۔ اب اس سمندر کو ہم اپنی کلھیا میں کیونکر بند کریں۔ سید صاحب سے
عرض کرنا چاہیے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کر کے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ
سکیں۔ یہ کہہ کر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ قصہ ختم ہوا۔ خانصاحب نے
فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب کے سامنے بیان کیا انہوں نے
اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے
درمیان بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اسلیے سید صاحب کے پاؤں چھیڑ رہا تھا
کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا کبھی دوسرے پاؤں کو۔ اور چھیڑتا اسطرح کہ قدم پر ہاتھ
رکھ کر گدگداتا ہوا اوپر کو لے جاتا تھا۔ لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا
فوراً سید صاحب اسے نیچے اتار دیتے تھے۔ بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور
سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اتار دیا۔ اس قصہ کو بیان فرما کر خانصاحب
نے فرمایا کہ جب میں اول مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لیے گنگوہ جا رہا تھا تو
سہارنپور پہنچ کر مغرب کی نماز میں نے بوبنی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ
بوبنی کی مسجد ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو
معلوم ہوا کہ واقعی بوبنی کی مسجد یہی ہے اور میں نے صحیح سمجھا تھا۔

[illegible]

مطلب کہہ۔ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے روتی رہی
تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا اور اس نے کہا کہ میاں میں بیہوش ہو گئی اور توبہ کر رہی
ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اسوقت تیرے مکان میں کچھ لوگ
ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کریگی؟ اس نے
کہا جی ہاں نکاح بھی کرواؤنگی اور جو آپ فرمائیں گے وہ کرونگی۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا
کسی سے نکاح کو جی چاہتا ہے تو اس نے کہا جی ہاں فلاں سے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟
اس نے کہا کہ اسوقت میرے مکان میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے؟
اس نے کہا جی ہاں کچھ آدمی اور ہیں۔ سید صاحب نے اس کو اٹھوا دیا ہے اور مجھ سے فرمایا
کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ۔ میں گیا تو اسوقت دس آدمی تھے، انہیں سے تو تو آ گئے مگر وہ نہ
آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔ جس شخص سے وہ رنڈی آشنا تھی اسی شخص
سے یہ لوگ بھی آئے اور وہ بھی سب کے سب تائب ہو گئے۔ اب آپ نے رنڈی
سمیت سب سے فرمایا کہ تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب
اکبری مسجد میں چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میاں
محمدی تم نے دیکھا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھ لیا۔ آپ نے
فرمایا کہ میاں سنو اس قسم کی باتیں یہود و نصاریٰ مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں۔ بعض
میں نظر کی قوت ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی، بعض میں آواز کی قوت ہوتی
ہے مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے اگر تم

ف ایسی قوت عام ہے کسبی اور وہبی دونوں ہے۔ یہ قوت جیسے کہ کبھی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے کبھی فطری و
طبعی طور پر اور ادراک ودیعت الٰہی۔ ہر کوئی بھی نہیں البتہ دیکھا یہ جاوے گا کہ اس قوت کو صرف کہاں کیا اسی کا
اعتبار ہوگا۔ پس کمالِ مطلوب عمل ہوا نہ کہ قوت۔ (اشرف علی)

کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہو جانا اور
اس کو بزرگ نہ سمجھ لینا بلکہ جس کو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت
بھی ان کے اندر نہ دیکھو اس کے معتقد ہو جانا۔ یہ فرما کر آگے چلے اور جنگل میں پہنچکر
فرمایا کہ الحمد للہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جس کیلئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں
میں دعا کرتی ہیں اور جس طرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک
مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں۔ اس قصے کو یہاں چھوڑ کر میں اسوقت مولانا نانوتوی
کا ایک ملفوظ سناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قبول عام کی
دو صورتیں ہیں ایک تو وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا
وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامت
مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا، کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے
وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاء اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے
ہیں اور ملاء اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور
جو ترتیب ملاء اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے انکی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس
کے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اسکے بعد دوسروں کو۔ پس جو مقبولیت اس کے
برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی۔ اسکے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس
زمانہ میں سب سے اچھے تھے۔ اسکے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے۔ اس کے بعد وہ
لوگ جو ان سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور برے سب زیر اثر آ گئے، حتیٰ کہ کچھ آپ
کے ماننے والے منافقین بھی تھے۔ اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے

تھے وہ سب سے افضل ہیں اور اُن کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور
اُن کے بعد وہ جو اُحد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے
پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔
اور فتح مکہ کے بعد تو سبھی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی۔ یہ
بیان فرما کر فرمایا کہ سید صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے خاندان کی مقبولیت
بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اوّل اُن کے معتقد اہلِ کمال ہوئے ہیں اور اس
کے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی ہے اور اسی طرح ہمارے حاجی صاحب... کی مقبولیت
ہوئی ہے، اوّل اُن کے معتقد خواص تھے اس کے بعد ان کی مقبولیت عام ہوئی
مگر حاجی... شاہ کی مقبولیت اوّل کن لوگوں میں ہوتی؟ ایسے ہی ولیسوں میں۔
اور عموم شہرت کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی سلسلہ
میں مجھے ایک اور قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی.... شاہ علی گڈھ آئے چونکہ
مشہور آدمی تھے اسلئے نواب لطف علی خاں صاحب کو بھی اُن سے ملنے کا شوق ہوا
اور انہوں نے گاڑی منگائی جب انہوں نے پائیدان پر پیر رکھا تو اتفاق سے ایک
خادم نے کہا کہ میاں آج حاجی.... صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکٹھی ہو کر
آئی تھیں۔ مگر نواب صاحب نے اسکو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے۔ دوسرے
خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو یقین نہیں آیا تو اس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا
ہوا ہے۔ جب انہوں نے سمجھ لیا کہ واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے
فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ شخص ملنے کے قابل ہے۔ ہم تو اسواسطے جانے تھے
کہ اُن کی صحبت سے خدا کی محبت نیکیوں کیطرف رغبت گذشتہ گناہوں پر ندامت

اور آئندہ گناہوں پر نفرت پیدا ہو گی۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے
شہدے، پھر کیوں جائیں۔ یہ کہہ کر جانا موقوف کر دیا اور گاڑیبان کو حکم دیا کہ گاڑی
لیجاؤ ہم نہ جائیں گے۔ اسکے بعد ایک قصہ اور یاد آ گیا کہ نواب لطف علیخاں گو
مقدس لوگوں میں نہ تھے مگر بزرگوں سے تعلق تھا لیکن اس تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجود
سر سید سے ان کی بہت دوستی تھی مگر جب اُنکے تیجے کے چنے پڑھے گئے ہیں اور
مولوی.... انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے نواب صاحب نے
مولوی سے سلام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ شاہ صاحب کے خاندان کے ان متوسلین
کی حالت تھی جو دنیادار تھے۔ ان ضمنی مضامین کے بعد میں اصل قصہ کیطرف
لوٹتا ہوں۔ میانجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب سیر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں
آئے تو وہ رنڈی اور نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے آپ نے
سب کو بیعت کیا اور انمیں سے ایک شخص کیساتھ جس سے وہ رنڈی رضامند
ہو گئی تھی اسکا نکاح کر دیا۔ اور وہ رنڈی باوجودیکہ بہت دولتمند تھی مگر اس نے
اپنی تمام دولت اور گھر بار چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔ جب سید صاحب نے
سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید
ہو گئے۔ مگر اس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ یہ رنڈی ایک
دوسری رنڈی کیساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی
اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اس کی توبہ کا قصہ حکایتِ گذشتہ میں آ چکا ہے)
مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھی اور دانہ دلتے دلتے اس کے ہاتھوں میں
گٹے پڑ گئے تھے۔ حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان

سید صاحب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کیلئے کپڑوں کا انتظام کرایا جاوے۔ چنانچہ لوگوں نے کرتہ پاجامہ وغیرہ دیدیا اور سید صاحب نے اپنا عمامہ اور چادر دی، اس نے اپنے کپڑے اتار کر یہ کپڑے خوشی خوشی پہن لیے۔ اس کے بعد سید صاحب نے اسے بیعت کیا اور علیحدہ لیجا کر کچھ تعلیم فرمایا۔ بیعت ہونے کے بعد یہ شخص چھ سات روز تک صبح کے وقت اور بعد روزانہ آتا رہا لیکن ساتویں یا آٹھویں روز جو وہ آیا تو وہ نہایت پریشان اور روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ ہمارا قیام چھ سات مہینے ہوگا اور میں حضور سے مستفید ہوں گا۔ مگر آج ہماری فوج کے تبادلہ کا حکم آگیا ہے اور کل کو ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے اپنی محرومی اور حضور کی مفارقت کا نہایت صدمہ ہے۔ سید صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر شاہ عبد القادر صاحب کے حجرہ میں لے گئے اور آدھ یا پون گھنٹہ حجرہ میں رہے اسکے بعد سید صاحب تنہا حجرہ سے نکلے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ ان کو باہر اٹھا لاؤ اور ہوا دو اور یہ کہہ کر تیز قدمی کیساتھ دوسرے حجرہ میں تشریف لیگئے۔ ہم لوگ جب اندر گئے تو دیکھا کہ وہ شخص بالکل بیہوش تھا۔ اسے حجرہ سے سہ دری میں لے آئے اور پانی کے چھینٹے دیے۔ پنڈول سنگھایا کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل مست تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور کہتا تھا کہ واللہ باللہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں سید صاحب ہی نظر آتے ہیں وہ میری آنکھوں میں بسے ہیں۔ یہ الفاظ اس نے تین دفعہ زور سے کہے، سید صاحب نے کواڑ کھول کر اپنا چہرہ نکالا اور زور سے فرمایا کہ خاموش اور مجھ کو ... کی صورت اپنے سے منہدم کر۔ اور یہ الفاظ آپ نے

ے شاید یہ تصرف ... [illegible] ... اور ایسا ہوجانے سے یہ لازم نہیں ... [illegible] ... ہوگئی ہو۔

دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت پہلے بیدین تھے اور اب ہمیں جو راحت ہے اسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اسوقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھدیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جاوے۔

حکایت (۱۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ سید صاحب ایک روز اکبری مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان سر سے پانوں تک حریر کا لباس پہنے ہوئے اور ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پوری پوری میں انگوٹھی چھلے پہنے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کرکے بیٹھ گیا، اور چونکہ اس زمانہ میں بانکوں کی وضع یہ تھی کہ ڈھیلا پاجامہ کلیوں دار پہنا کرتے تھے اسلئے یہ شخص بھی ڈھیلا ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھا مگر یہ یاد نہیں کہ دفعدار تھا یا اور کچھ۔ یہ شخص فوج میں ملازم تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں فوج میں ملازم ہوں اور ہماری فوج کو یہاں چھ مہینے رہنے کا حکم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور سے بیعت کرلوں، سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت! کیا یہ صورت بیعت کی ہے ... ڈاڑھی آپ کی منڈی ہوئی ہے لباس سارا حریر کا ہے ہاتھوں میں مہندی ہے پوری پوری میں چھلے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اور چھلے تو میں اسی وقت اُتارے دیتا ہوں لیکن کپڑے ابھی نہیں اتار سکتا کیونکہ نہ دوسرے کپڑے یہاں میرے پاس ہیں اور نہ گھر۔ رہی مہندی اور ڈاڑھی سو میں مہندی کے زائل کرنے سے اسوقت عاجز ہوں اور ڈاڑھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

بھی تین مرتبہ فرمائے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ یہ قصہ بیان فرما کر میرے استاد فرماتے تھے کہ تصور دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو از خود ہو اور دوسرا وہ جو قصداً کرنے سے ہو۔ سید صاحب جو تصور شیخ کو منع فرماتے تھے وہ وہ تصور تھا جو قصداً و بتکلف کیا جاوے اور جو تصور از خود ہو اس کو منع نہیں فرماتے تھے کیونکہ ایسے تصور کا ثبوت حدیثوں سے ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہا کر نکلے آپ اپنے بالوں کے دو حصے کرتے تھے اور ان کے درمیان باریک مانگ تھی گویا میں دیکھ رہی ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ نیز ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یونہی بٹھاتے تھے گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ تصور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا مگر از خود تھا نہ کہ بہ تکلف و بالقصد۔

حکایت (۱۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحب تیرھویں صدی کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں۔ اس پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سن کر فرمایا کہ الحمد للہ۔ اللہ کو ایک بندہ پیدا کرنا تھا سو پیدا ہو گیا۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۱۲۱) فرمایا کہ سید احمد صاحبؒ جس وقت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت

ف: اس سے جو وہ تصور مراد ہے جس میں مقصودیت کی شان ہو جیسے بطور شغل مستقل کے کرتے ہیں جس میں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس میں مشابہت ہے شرک کی ورنہ اگر محبت میں قصداً بھی تصور کرے تو گناہ نہیں اور بعض بزرگوں سے اجازت منقول ہے وہ بقدر ضرورت ہے کہ خطرات دفع نہ ہوں تو کسی شے کا تصور کرے حسب قاعدہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد ہو جاتے ہیں اور اس میں صورت شیخ اور صورت دیگر اشیاء سب مساوی ہیں۔ مگر شیخ سے چونکہ طبعاً محبت زائد ہوتی ہے اس کی طرف توجہ قوی ہو جیسے دفع سہل تر ہو گا۔ مگر بعد دفع خطرات کے پھر اس کو بھی زائل کر دیتے ہیں اور عین تصور کے وقت بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسرا کوئی تصور نہ آوے گو اس سے زیادہ محمود یا مقصود ہو [illegible] کا تحقیق کر لیا جاوے باقی ایسا مجمد حدیثوں میں وارد بکثرت ہے۔ (اشرف علی)
منقول از امیر الروایات

میں تھے تو شاہ صاحب نے ان کو شغل رابطہ بتلایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرما دیا۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لونگا، یہ تو معصیت نہیں شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ سن کر ان کو سینہ سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے تم کو طریق ولایت سے نسبت نہیں ہے۔ دوسرا واقعہ سید صاحب کے انقیاد کا امیر شاہ خانصاحب امیر الروایات میں لکھا ہے کہ جب شاہ عبدالقادر صاحبؒ شاہ صاحبؒ سے مانگ کر انکو اپنے پاس لے گئے تو آپ نے مسجد میں ایک جگہ بتلا دی تھی کہ اس جگہ بیٹھ کر ذکر و شغل کیا کرو۔ رفتہ رفتہ برسات کا موسم آ گیا۔ ایک روز شاہ صاحب نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور یہ اسی میں بیٹھے ہیں۔ سید صاحب سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو؟ تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع بتلایا تھا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا یہ ہے اطاعت۔ شاہ صاحب کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے بتلانے کو ایسا عام سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑے بھی گذر جاتے جب بھی سید صاحب اس جگہ سے نہ اٹھتے (یعنی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے۔ اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھئے کیسا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا ہو اور اختلاف ہو تو ایسا اور پھر بھی کیسے کہ کچھ نہ فرمایا بلکہ حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوئے) اور یہ فرمایا کہ اگر کہیے تو معصیت انقیاداً کر لوں۔ اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک

ے مقصود ہے بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے ے

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اضافہ از ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۲۱) منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ حضرت سید احمد بریلوی کے دیکھنے والوں میں کوئی شخص اب بھی زندہ ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا بالفعل تو مجھے یاد نہیں بعد فکر بتلاؤں گا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ سہارنپور میں ایک خشت فروش زندہ ہے۔ حضرت نے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبہٹہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحبؒ سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔ سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا۔ وہ تن تنہا یار محمد خاں کے پاس پہنچا اور پیغام سنایا۔ اس نے جواب دیا سید سے کہدے وہ کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے اسکے لیے بہتر نہ ہوگا اس کے ساتھی ایک ایک کر کے مارے جاویں گے اور خود اس قاصد کے کوڑے لگوائے پھر واپس کر دیا اور پوچھا پھر بھی اگر سید تجھے بھیجیگا تو تو آئیگا؟ اس نے کہا کہ ہاں پھر آؤں گا۔ غرض قاصد نے واپس ہو کر سارا حال سید صاحب سے عرض کیا۔ سید صاحب نے فرمایا اچھا تم ہی جا کر یار محمد خاں سے کہو

ر تو ہم کو کیا زک دیگا تو خود پیشاب پی کر مریگا۔ الغرض لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں کی فوج نے ہزیمت پائی۔ یار محمد خاں بھی بھاگا۔ اس اثناء میں اسے تشنگی لاحق ہوئی جب پانی مانگا اور خادم نے جواب دیا کہ پانی موجود نہیں ہے تو کہا شاشہ بیار یعنی پیشاب ہی لا۔ اور پھر قتل ہوا۔

پھر کچھ عرصہ بعد کھڑک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی ہوئی۔ جس میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ مولوی محمد حسن صاحب بھی وہیں شہید ہوئے البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ لوگ تلاش میں تھے اور ادھر ادھر جستجو کرنے لگے۔ چند چند آدمی دیہات اور پہاڑوں میں جا کر ڈھونڈا کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گاؤں میں برابر پتہ ملتا چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا اسی حالت میں میں نے تینوں شخصوں کو جاتے دیکھا جن میں ایک سید صاحبؒ تھے۔ میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہمکو کہاں چھوڑ گئے اور کیوں ہم سے علیحدہ ہو گئے، سب لوگ آپ کے رو براہ ہیں۔ میرے غل مچانے پر حضرت سید صاحب نے منہ پھیر کر مجھے دیکھا، کچھ جواب نہ دیا۔ اور چلے گئے۔ میں بوجہ بیماری کے اٹھ نہ سکا غل مچایا کیا۔

دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعتہً کچھ فاصلہ پر گرد اڑتا دیکھا۔ میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں مجبور ہو کر

نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت؟" سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کیلئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے تیار کر کے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرمادیں لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑا بدلتا ہوں لیکن اگر امر خدا ہو کہ میں کملی پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو۔ اس کلمہ کو بار بار کچھ دنوں میں فرمایا کرتے۔ آخر ایک مرید افغان نے کہا "کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتا ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے۔" سید صاحب نے فرمایا کہ واقع میں بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں بہر حالت مستعد رہنا چاہیے۔

ایکبار فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی جو سید صاحب کے ہمراہ تھے انکا یہ حال تھا کہ ایام سرما میں جب اُن کے پاس گھر سے رزائی بھیجا جاتا تو اپنے اعضاء سے کہتے کہ تم ان میں آرام لوگے؟ ان میں رہوگے؟ لیکن میں جب خوش ہونگا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہوا خاک میں رُلتا ہو۔" اور بالآخر یونہی ہوا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کسی شہر میں گذرے۔ ایک کسبی خوبصورت اپنے دروازے پر کھڑی تھی۔ سید صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپنے ایک نظر اس کیطرف دیکھا اور پھر چلدیے۔ تو وہ رنڈی بے تحاشا دوڑی اور گھوڑے کے دل میں گر پڑی کہ حضرت برائے خدا مجھے افعال ناشائستہ سے توبہ کراو اور بیعت

کرو حضرت نے توبہ کرائی اور اس سے دریافت کیا کس سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ اس کا کوئی آشنا تھا اس نے اس کی نسبت کہا۔ اس شخص نے انکار کر دیا تب اسی وقت قافلہ والوں میں سے کسی شخص کیساتھ حضرت نے اسکا نکاح کر دیا اور قیامگاہ پر پہنچ کر فرمایا کہ لوگو جو کچھ تم نے دیکھا اسپر تعجب نہ کرنا۔ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ بھی اپنا اثر دکھائے مگر ہو خلاف سنت ہرگز ہرگز اعتبار نہ کرنا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہنگام قیام نانوتہ میں مسمیٰ غلام حسین شیعوں کا مولوی تھا وہ بھی سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک مکان میں بیٹھے تھے جب وہ اندر آیا تو آپ متوجہ نہ ہوئے اسپر جوں ہی اثر پڑا تو وہ بدنصیب جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگا۔ کہ یہ شخص سید بڑا جادوگر ہے اور جبتک سید صاحب نانوتہ میں مقیم رہے وہ جنگل میں رہا کیا شہر میں نہ آیا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت شاہ غلام علیؒ کی حکایات

حکایت (۱۲۲) شاہ صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے پہلے خادم میاں کریم اللہ تھے۔ جب میاں کریم اللہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی بجائے ان کے بیٹے میاں عیدو شاہ صاحب کی خدمت کرنے لگے۔ یہ میاں عیدو فرماتے تھے کہ جو شخص شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانہ میں جامع مسجد (دہلی) کے امام تھے وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بخاری بزرگ جامع مسجد میں آکر ٹھہرے اور کئی روز تک ٹھہرے رہے۔ یہ صاحب اسقدر نیک تھے کہ انکا مستحب تک ترک نہ ہوتا تھا۔ اشراق۔ چاشت۔ صلوٰۃ الاوابین پر مداومت کرتے

طرف چند اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری طرف نہ چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ہم
سب ایک ہی مقام پر مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس جا رہا تھا رات میں
نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس آ رہے تھے ہم نے بھی یہی
یہی خواب دیکھا ہے۔ اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب[1] کے مکان پر آئے تو
اس وقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ہم نے ان سے یہ خواب
بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوا اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

حکایت (۱۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفیٰ خاں نے اپنا
قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جنمیں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے
تھے اور بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی محمد عمر
صاحب کو پکڑ لائے۔ وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ مگر مومن خاں
نہیں مانتے تھے۔ آخر لا کر اس مجلس میں انکو بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی
محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی حرکت کی اسکے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اسپر کو
شبہ ہو گیا یہ بھی خیال ہوا کہ شاید انکی جنبش کا اثر ہوا اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو۔ اسپر
سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کی طرف ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ
حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی اس سے مکان پھر ہل گیا اور پہلے سے زور سے
ہلا تب یقین ہو گیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی
تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں
جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کرنے لگے۔ اسپر کسی نے کہا کہ مولوی محمد عمر صاحب

۱؎ یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے پہلے فن کے افضال کی ذکر کیا۔ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا یہ کشف کی نوع سے نہیں ہوں اور بیداری میں حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت مکلفین کے اقوال و افعال میں ہوتی ہے۔ (اشرف علی)

گیا انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ اور یہ کہہ کر اُٹھ کر چل دیئے[1]۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۳۴) ایکمرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا
محمد اسمعیل صاحب کے صاحبزادے تھے اور مجذوب تھے۔ ایکبار جامع مسجد دہلی میں اکبر خاں
غیر مقلدی کا بانی وعظ کر رہا تھا جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر صاحب اسکے پاس
وعظ سننے کو تشریف لیگئے۔ لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے۔ آپ نے فرمایا ہم
کیا ہوا قرآن و حدیث رسول ہی تو بیان کرتا ہے۔ غرض شاہ صاحب مراقب ہو کر
وعظ میں بیٹھ گئے۔ جبتک وہ حدیث پڑھتا رہا خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ایک حدیث
کے بعد اکبر خاں کی جو شامت آئی تو اُسنے کہا ”اگر ابو حنیفہ بھی ہوتے تو اس حدیث کا
مطلب ہم انہیں سمجھا دیتے۔“ بھلا شاہ صاحب میں کہاں تاب تھی۔ آپ نے سر اُٹھا کر فرمایا تو
ابو حنیفہ کو مطلب سمجھاتا جنکے مقلد جنید و شبلی جیسے ہوگئے“ اُٹھ کر ایک جوتا اسکے سر پر
ایسی لگائی کہ اسکا عمامہ اُتر گیا۔ چند بنگالی طالب علم جو اکبر خاں کے معتقد اسکے ہمراہ تھے
شاہ صاحب کے مقابلہ کو تیار ہوئے مگر اکبر خاں نے روکا کہ نہیں نہیں صاحبزادہ ہیں۔

حکایت (۱۳۵) ایکبار شاہ محمد عمر صاحب جا رہے تھے اندھیری رات تھی۔
پہرہ والے نے ٹوکا کہ کون جاتا ہے؟ شاہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ پہرہ والے
نے پھر پوچھا کہ کون ہے؟ تب فرمانے لگے ”تجھے معلوم نہیں ہوتا آفتاب نکلا ہوا“ اس
جواب پر پہرہ والے نے مارنا شروع کیا کسی نے اتفاق سے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تو
مولانا محمد عمر صاحب ہیں۔ اسپر پہرہ والے نے بھی معذرت کی کہ حضرت میں نے پہچانا نہ

۱؎ یہاں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا۔ (اشرف علی)

کہ حضرت حاجی صاحب نے بھی اس واقعہ کی نسبت ایک تقریر فرمائی تھی مگر وہ
تقریر بعینہٖ مجھے یاد رہی اور نہ اسکا ماحصل، اتنا خیال آتا ہے کہ آپ کی تقریر دونوں
روایتوں کی مؤید تھی نہ کہ مخالف۔

حکایت (۱۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری فرماتے
تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہونیکے
بعد بیعت ہوئے اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباعِ سنت نہایت غالب
تھا۔ اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے انکی حالت اسلام
کی نہ تھی۔ نیز مولانا رائپوری نے فرمایا کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت
ہو چکے تو اسکے بعد وہ ساڈھورہ[1] تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لیجاکر اپنے سابق پیر
کے خدام کو و نیز قصبہ کے تمام عوام و خواص کو بلاکر ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں آپنے
فرمایا کہ میرے پیر کا عرس تو پہلے بھی ہوتا تھا مگر ترقی اسے میں نے دی تھی اور موجودہ حالت
اسکی میری کوشش سے ہوئی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میری سمجھ
میں اسکی برائی آگئی۔ ایسلئے میں آپ صاحبان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف
کر دیا جاوے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے پیر کے دو صاحبزادے تھے انہوں نے برسر
جلسہ کہا کہ یہ حاجی نہیں پاجی ہے اسکی کوئی نہ سنو۔ یہ سنکر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب
چلے گئے۔ مگر عبداللہ خاں جنکا ذکر نمبر سابق میں آیا ہے نہیں اُٹھے اور یہ بیٹھے رہے شاہ
صاحب نے تھوڑی دیر میں فرمایا کہ میاں عبداللہ خاں سب چلے گئے تم کیوں بیٹھے ہو
تم بھی چلے جاؤ۔ اس پر عبداللہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ آپ کے پیر[2] قبر میں سے

---

[1] غالباً ذہول ہوا ہے امروہہ ہوگا ان کے پیر سابق کا مزار امروہہ ہی میں ہے۔ [2] یہ مسئلہ ہے کہ قوم کے نزدیک شیخ کے مقابلہ میں شیخ الشیخ کی اطاعت نہیں ہے ہاں اسکا معاملہ خود شیخ کیساتھ ہے۔

اٹھ کر کہیں گے کہ اٹھ جائیں تب بھی نہ اٹھوں گا اور پھر تو پیر اگر ان کے پیر بھی کہیں گے
تب بھی نہ اٹھوں گا۔ اور اسی طرح بہت دور ترقی کرتے چلے گئے۔ غرض انہوں نے
کہا کہ میں کسی طرح آپ کو نہ چھوڑوں گا۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۱۴۸) ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب شہید اور دو شخص
ان کے ہمراہ ہو کر امروہہ شاہ عبدالہادی صاحب کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر
ہوئے تین دن تک حضرت کے ہاں مسجد میں مہمان رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے
اُن کے حال پر کچھ توجہ نہ فرمائی۔ نماز کیلئے مسجد میں آتے اور فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف
لیجاتے۔ جب اسی طرح تین دن گذر گئے تو دونوں ہمراہیوں نے حضرت حاجی صاحب
شہید سے کہا کہ میاں یہ تو ایک امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں ہماری طرف بالکل بھی توجہ
نہیں کرتے۔ پھر ہم بھی مرید ہو کر کیا کرینگے چلو کوئی دوسری جگہ دیکھیں جہاں فقیری اور درویشی
ہو۔ حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا بھائی تمہیں اختیار ہے جاؤ میں تو اسی جگہ کا ہو رہا۔
آخر وہ دونوں چلدیے۔ اسکے بعد جو حضرت حاجی صاحب شہید شاہ صاحب کی خدمت
میں حاضر ہوئے تو حضرت نے چیں بجبیں ہو کر آڑے ہاتھوں لیا اور خوب دھمکایا کہ
یہاں کیوں پڑے ہو جاتے کیوں نہیں؟ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو
سلسلہ خدام میں داخل فرمالیں۔ شاہ صاحب نے ترشی کیساتھ جواب دیا۔ "میں ایک
امیر آدمی ہوں پان چھالیہ کھاتا ہوں۔ میں بیعت کرنے کے قابل نہیں نہ میں تم کو
بیعت کرتا ہوں جاؤ کوئی دوسری جگہ دیکھو۔" حاجی صاحب نے گردن جھکالی اور

عرض کیا کہ حضرت مجھے تو بیعت فرما لیں۔ آخر دو چار دن کے بعد حضرت کو یقین ہوا
کہ بدون بیعت یہ جانے کے نہیں تب ظہر و عصر کے مابین حاجی صاحب کو ہمراہ لیکر دریا کے
دریا کے کنارے انکو بیعت کیا۔ حضرت حاجی صاحب شہید پر بے اختیاری و بے خبری طاری ہونے
لگی اور شور و غل کرنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب بھی اسی طرح بیٹھنے لگے جب عصر کا وقت ہوا تو
شاہ صاحب نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے۔ حاجی صاحب مقتدی تھے مگر دونوں پر
محویت و استغراق طاری تھی کہ نماز کی نیت نہ باندھ سکے۔ کئی مرتبہ نماز کی نیت سے کھڑے
ہوئے مگر پھر بھی نہ سکے۔ آخر جب وقت تنگ ہونے لگا تو بمشکل نماز پڑھی۔ دو چار
روز کے بعد حاجی صاحب حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہو کر ایک جگہ اللہ کی یاد میں
مصروف ہو گئے۔ چھ ماہ بعد شاہ صاحب کی زیارت کو امروہہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب
کا وصال ہو گیا تھا۔ یہ ابھی مجاز بھی نہیں ہوئے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اول ہی اول جھنجھانہ میں شاہ رحم علی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے حال پر بہت
عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تو یہ لڈو لیکر جاؤ اور کالا آم کے پہاڑ میں بیٹھ کر اپنا کام
کرو۔ چنانچہ موجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یاد الٰہی میں مصروف رہے۔ اور
درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا۔ چھ ماہ کے بعد وہ لڈو لیکر جھنجھانہ آئے۔ اُن کے پہنچنے سے
پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو لیا تھا اُنسے بھی مجاز نہ ہوئے۔

آخر سید صاحب بریلوی جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحب
بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت عطا فرما دیں میں ذکر و شغل حضرات
قادریہ و چشتیہ سب کر چکا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا جبتک ہم سے بیعت نہ ہو گے

انہیں اجازت نہ دو گے۔ بموجب ارشاد سید صاحب آخر بیعت ہوئے اور حضرت
سید صاحب نے انہیں مجاز فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب شہید فرمایا کرتے تھے کہ سید
صاحب میں انوار شریعت بہت زیادہ ہیں۔ جب دونوں حضرات مراقب ہوتے
تو حضرت حاجی صاحب شہید بنتے تھے اور سید صاحب خاموش رہتے تھے۔

حکایت (۱۴۹) ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہ جھنجھانہ میں جو تالاب ہے
اسکو حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے۔ پیر جیو
محمد حسن صاحب ساڈھوروی نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب
میں بکثرت پانی رہتا تھا دوسرے تالاب سارے سوکھ جاتے تھے مگر اسکا پانی خشک
ہی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں
نے صاف کیا اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اسوقت سے یہ بات جاتی رہی
جناب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے۔ برسات کے
بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو
بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کی حکایات

حکایت (۱۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا یا مولانا نانوتوی
نے (مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں مگر سنا انہی میں سے کسی ایک سے ہے) کہ ایک شخص نہایت
خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میانجی نور محمد صاحب سے عرض کیا
کہ حضرت ...... یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیجے۔

آپ نے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بالمزامیر میں بھی [illegible]
ہے اور پہلے اس کا سننا خلافِ احتیاط ہے۔ لہٰذا میں اسکے سننے سے معذور ہوں۔

حکایت (۱۵۱) فرمایا کہ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت [illegible] کے
مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام [illegible]
کے پاس دفن کر دیا۔ یہ بیچارے ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانہ
میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی نعش
نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیتا پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ [illegible]

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کی حکایات

حکایات (۱۵۲) نانا صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر [illegible] معظمہ گئے تھے
حافظ [illegible] کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب
کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھے آدمی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ
[illegible]

نانا صاحب نے فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات
مجھ سے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔

حکایت (۱۵۳) نانا صاحب نے فرمایا کہ پھلاودہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے
قریب ایک مقام ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں
بابا یہ صاحب حافظ عبدالغنی صاحب کے (جو کہ پھلاودہ کے رہنے والے اور مولوی احمد
علی صاحب محدث کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے۔ ان صاحب
نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتروا لیتا تھا اسطرح
میں نے اون جمع کر کے حاجی صاحب کیلئے ایک کملی بنوائی اور اس وقت تک
میں حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔ جب میں
حج کیلئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ جہاز طغیانی میں آ گیا اور جہاز
میں ایک شور برپا ہو گیا۔ میں چھتری پر تھا وہاں سے اتر کر عرشے کی جالیوں سے کمر
لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کیلئے بیٹھ گیا کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوب
جائے گا۔ اتنے میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی۔
اس غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو جہاز
ابھی کچھ دیر میں طغیانی سے نکل جاویگا اور میرا نام امداد اللہ ہے۔ مجھے
[illegible] اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے

[illegible]

لوگوں سے کہدیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے
خواب میں بیان فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ اسکے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم
میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے۔ مگر کسی نے اقرار نہیں کیا آخر جہاز طغیانی
سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلانا
میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طوافِ قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے
حاجی صاحب کو ان کے مصلّٰی کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ ان کی شکل
اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے
جہاز میں دیکھا تھا تو اسوقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اسوقت پاجامہ۔ میں نہ
سمجھا تھا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔ خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز
کو طغیانی سے نکالنے کیلئے لنگی ہی مناسب تھی اسلئے آپنے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ سن کر
بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی
صاحب سے ملا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو
خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔[1]

حکایت (۲۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ محمد حسین مراد آباد کے رہنے
والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہی کے مُرید تھے۔ انہوں نے
حاجی صاحب کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حُبِ عقلی کو حب
عشقی پر ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حُبِ عشقی وصل کے بعد مضمحل ہو جاتی
ہے مگر حُبِ عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے اور اسی طرح شکر کو صبر پر ترجیح دی ہے۔
حضور کا اس میں کیا مسلک ہے؟

[1] حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حاجی صاحب نے اس خط کا تقریباً ڈیڑھ جزو میں جواب لکھا اور جواب میں حُبِ
عشقی کو حُبِ عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حُبِ عشقی نامتناہی ہے اور حُبِ عقلی متناہی۔
اور دلیل میں یہ تحریر فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ لو کشف الغطاء
ما ازددت یقینا۔ یہ حُبِ عقلی تھی اور اس بات کی تناہی ظاہر ہے۔ اور تیسرا مضمون
یہ تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ صابرین کے متعلق فرماتے ہیں۔ ان اللہ مع
الصابرین۔ اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں۔ لئن شکرتم لازیدنکم
اور معیتِ حق اور زیادتِ نعمت میں فرق ظاہر ہے۔ غرض اس بحث کو حاجی صاحب
نے بہت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسلئے اس
کے مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہو گئی۔ اس کے بعد
میں نے مراد آباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا۔ خیر حاجی صاحب نے اس خط کو
تمام فرما کر مولانا گنگوہی کو سنایا۔ اس مجلس میں حافظ عبداللہ اور مولوی عبدالکریم خسر تجمل
حسین (حاجی صاحب کے بھتیجے) بھی موجود تھے۔ مولانا گنگوہی نے حاجی صاحب کے
جواب کو نہایت پسند فرمایا۔ اسکے بعد جب مولانا اس مجلس سے اٹھے تو منشی تجمل حسین
صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں آپکے نزدیک حاجی صاحب
کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراطِ مستقیم کا۔ آپ نے فرمایا دونوں بہت

[1] اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی فرشتہ یا لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متشکل ہو جاتا ہے اور کبھی
خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اسکی کوئی یقینی پہچان نہیں زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے وہ
کچھ بھی کسی مصلحت سے اختیار کریں۔ [2] اور حُبِ عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل اعتراً خود حضرت
حاجی صاحب سے منقول ہے کہ عشق دریا ایست قعرش ناپدید۔ اور وصل میں مضمحل ہو جانا حبِ عشقی کا
موقوف ہے کہ جب حسن و جمال محبوب کا متناہی ہو اور عشقِ حقیقی میں یہ ہے نہیں پس دونوں ایسا نہیں۔

لی برکت کی حکایت جو ان کے معاملہ میں ظاہر ہوئی تھی مجھ سے بیان کی کہ میں ایک آزاد شخص تھا نماز بھی نہ پڑھتا تھا حضرت سے بیعت کو جی چاہا حضرت سے عرض کیا کہ اعمال کی تو ہمت نہیں اگر آزادی ترک نہ ہو جاوے تو بیعت ہوتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ یا تو نماز پڑھوں گا اور یا نہ پڑھوں گا دیکھوں گا حضرت نے منظور فرمایا اور بیعت کر لیا اور فرمایا کہ ایک شرط ہماری بھی ہے کہ ہم تھوڑا سا ذکر بتلا دیتے ہیں اس کو کر لیا کرنا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اس ذکر کا ان پر یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعتاً بدن میں خارش شروع ہوئی اب جو تدبیر بھی اس کے دفع کی کی کوئی دوا ملی پڑی کہیں چنبیلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا، پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ ہی دھو ڈالوں جب دھو چکے پھر خیال آیا کہ سب اعضاء تو دھل گئے لاؤ مسح بھی کر لوں۔ وضو کا تمام ہونا تھا کہ خارش تو جاتی رہی مگر پھر جی میں آیا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لوں۔ کیونکہ یہ شرط تو ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا۔ نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کا نام و نشان نہ رہا پھر جب نماز کا وقت آیا وہی خارش پھر شروع ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی رفع ہو جاتی اب سمجھے کہ بڑے میاں نے (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے) ایسا پھندا لگایا ہے نمازی ہو گئے پھر خیال آیا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے اور خدا کے دربار میں حاضری دیتا ہے تو داڑھی میں کیا منہ لیکے جاتا ہے سو وہ بھی چھوڑ دی خدا کے فضل سے اس وقت نہایت اچھی حالت ہے نماز تہجد و اشراق وغیرہ سب پڑھتے ہیں۔

حکایت (۱۵۹) فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بزرگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے یہ لوگ بڑے تدبر اور ترکیب سے نصیحت

کرتے ہیں۔ ایک غیر مقلد جو کہ پیرزادہ تھا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت شریف میں آیا حضرت نے فرمایا کہ حزب البحر تمہارے بزرگوں کا معمول ہے تم اسے کیوں نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں جو اشارات ہیں وہ بدعت ہیں حضرت نے فرمایا کہ اشارات کو چھوڑ دو۔ وہ تمہارے گھر کی چیز ہے برکت کی چیز ہے۔ انہوں نے شروع کیا تھوڑے دنوں میں ان کی غیر مقلدی سب دور ہو گئی۔

حکایت (۱۶۰) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو کہ بھوپال سے حج کو گئے تھے بیان کرتے تھے کہ میرے ہمراہ بھوپال کے ایک غیر مقلد بھی گئے تھے انہوں نے حضرت سے بیعت کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میں غیر مقلدی نہ چھوڑوں گا حضرت نے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ وہاں ایسی باتوں کو پوچھتے ہی نہ تھے فرماتے تھے کہ بھائی اللہ کے نام میں برکت ہے سب اصلاح ہو جائے گی (اس پر حضرت مرشدی حکیم الامت مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ جہاں ایسی برکت ہو وہاں شرائط وغیرہ کی ضرورت نہیں) مگر ایک شرط ہماری ہے کہ کسی غیر مقلد سے کوئی مسئلہ نہ پوچھنا بلکہ مولوی یعقوب صاحب سے پوچھنا، جو حنفی تھے۔ اس کے بعد حضرت نے بیعت فرما لیا۔ ایک نماز کے بعد یہ اثر ہوا اس نے خود آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑ دیا۔ حضرت کو اطلاع کی گئی (ایسے علوم کا تو حضرت بھی سننے میں مزا آئے گا جیسا حضرت نے کیا جواب) آپ حضرت منصف تھے اپنے حال تحقیق پر ہر مقام پر عمل فرماتے تھے۔ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ قیام میلاد کیسا ہے فرمایا مجھے تو لطف آتا ہے لیکن کوئی سنت اور قربت سمجھ کر نہیں کرتا ہوں (اور حضرت کو ان عوارض کا خیال نہ تھا کہ میں مقتدا ہوں اور میرا فعل سبب ہو جائے گا) سمجھتے تھے کہ جو لازم کا

مولوی آپ فتویٰ دے لیں گے (بھلا ایسا شخص بدعتی ہو سکتا ہے) تو حضرتؒ نے
اُسے بلا کر فرمایا کہ اگر تمہاری رائے بدل گئی تو خیر یہ بھی سنت وہ بھی سنت، اور اگر
پیر کی وجہ سے چھوڑا ہے تو میں ترکِ سنت کا وبال اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا۔ یہ رنگ
تھا حضرت کا۔ خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھے اپنے اپنے رنگ پر سمجھے
ہیں مگر میں سب سے جدا ہوں۔ جیسے کسی رنگدار بوتل میں پانی بھر دیا جاوے تو وہ
پانی بھی اُسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے حالانکہ پانی بے لون ہے وفی مثل ذالک
قال العارف الرومی ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من ٭ وز درونِ من نجست اسرارِ من
سرِ من از نالۂ من دور نیست ٭ لیک چشم و گوش را آں نور نیست
در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام ٭ پس سخن کوتاہ باید والسلام

حکایت (۱۶۱) فرمایا کہ ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
پوچھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولوی تھے؟ فرمایا کہ مولوی گر تھے۔ ماشاء اللہ کیا نفیس جواب ہے
حکایت (۱۶۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بمبئی کے
سیٹھ نے حج کی دعا کیلئے عرض کیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کر سکتا
ہوں۔ اُس نے کہا وہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس روز جہاز جدہ جانے لگے اس روز دن بھر
کیلئے اپنے اوپر آپ مجھے پورا قابو دیجئے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا ہوگا۔ حضرت نے
فرمایا کہ اس روز تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں سوار کرا دونگا وہ تم کو جدہ پہنچا دے گا۔
یہ خوب ہے کہ میں تو دعا کروں اور تم یہاں بیٹھ کر تجارت کرو (اس میں حضرتؒ
نے صاف ظاہر فرما دیا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا تمنا کے ساتھ ارادہ کو بھی کام

کام میں لانا چاہیئے۔ جس قدر اپنے آپ سے ہو سکتا ہے اُسے عمل میں لاوے۔
باقی متمم حقیقی حق تبارک و تعالیٰ ہیں۔ (جامع)
حکایت (۱۶۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز فرماتے
تھے کہ میں نے مثنوی کے بارے میں مومن خاں شاعر سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں
کہ مولانا رومی کا کلام شاعری کی حیثیت سے حجت نہیں۔ مومن خاں نے کہا کہ کسی
جاہل کا قول ہوگا اُن کا کلام شاعری کی حیثیت سے بھی بہت مستند ہے۔
حکایت (۱۶۴) فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت
تھانہ بھون کی مسجد پیر محمد والی میں قیام فرمایا ہے (جہاں اسوقت حضرت سیدی
سندی شیخی و مرشدی وسیلۃ یومی و غدی حکیم الامت حضرت مولانا و اولینا مولوی شاہ
محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی تشنگانِ بادۂ محبت کو سیراب
مسرور فرماتے ہیں نفعنا اللہ بطولِ بقائہ ؎

وہ سلامت رہیں ہزار برس ٭ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

الٰہ العالمین اس ناکارہ و ارزلِ خلائق جامع کو ہمیشہ اس ذاتِ قدسی
صفات کے سایۂ عاطفت میں رکھیو یہاں تک کہ ؎

نکل جائے دم اُنکے قدموں کے نیچے ٭ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔ (جامع)

اسوقت یہاں سہ دری نہ تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ
ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحبِ سماع تھے مگر
دنیا دار نہ تھے سچے تھے۔ جب حضرت یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا
ادب کیا کہ خود اُٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرتؒ

حاجی صاحب کی پڑھائی میں اور اپنے شیخ کی پڑھائی میں کیا فرق دیکھا انہوں
نے پوچھا کہ تم پڑھتے ہوئے ... کہا کہ ... وہی مثنوی ... پڑھا ہوا ہوں۔
انہوں نے کہا کہ ایک مثال سے سمجھو کہ جیسے ایک مکان نہایت عالیشان
عمدہ ہو جو ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ اور ہر قسم کے فرنیچر سے بھرا ہوا ہے ایک شخص
تو وہ ہے کہ کسی کو اس کے دروازہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا اور اس کا تمام نقشہ بیان
کر دیا کوئی چیز نہ چھوڑی اور ایک شخص وہ ہے کہ جس نے زیادہ بیان تو
نہیں کیا لیکن دروازہ سے اندر لیجا کر مکان کے بیچ میں کھڑا کر دیا اسطرح کہ سب
کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ حاجی صاحب کا پڑھانا تو ایسا ہی ہے کہ مجھے اندر
لیجا کر کھڑا کر دیا اور میرے شیخ کا پڑھانا ایسا ہے جیسا کہ باہر سے پورا نقشہ بتا دیا

حکایت (۱۶۹) فرمایا کہ مشتاق احمد صاحب پٹواری کہتے تھے کہ حضرت
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اسقدر رفیع ہیں کہ میرے قابو میں نہیں آتے
اسلئے آپ (یعنی مرشدی مدظلہ) کچھ لکھیئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں
یہ پتہ بھی نہ تھا کہ اور لوگ بھی حضرت کے حالات کو اس درجہ کا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ
"امداد المشتاق" اس فرمائش کے بعد ہی لکھی گئی۔

حکایت (۱۷۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص
کو عالم روحانیت سے مناسبت ہو جاتی ہے تو اس کے وقت میں برکت ہو جاتی ہے

حکایت (۱۷۱) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
خدمت میں مثنوی کا درس ہو رہا تھا اور جلسہ عجیب جوش و خروش سے پُر تھا
اس روز حضرت نے پکار کر یوں دعا فرمائی (اے اللہ ہم لوگوں کو بھی ایک ذرہ

بھی عطا فرما) آمین پھر دعا کے بعد فرمایا کہ اس مذہب کو عشق ... الہام ہوا
کہ ... جلسہ میں فرمایا کہ جاتا تو قند سے زیادہ وہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے ع

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں ۔ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم
عمریست بر سر جوشش کنارہ نیست ۔ وینجا چونکہ بیاں بیپایاں نیست

حکایت (۱۷۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مثنوی کا
درس ختم فرماتے تو یوں دعا فرماتے تھے (اے اللہ جو جو اس کتاب میں لکھا ہے
اس میں سے ہمیں بھی حصہ دیدے) آمین (جامع)

حکایت (۱۷۳) فرمایا کہ جب مثنوی کے درس کا وقت آتا تو حضرت
حاجی صاحبؒ یوں فرمایا کرتے تھے کہ آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کریں۔ ایک شعر ہے

مثنوی مولوی معنوی ۔ ہست قرآں در زبان پہلوی

اس کا لوگوں نے اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں زیادہ مضامین قرآن
شریف کے ہیں۔ لیکن حضرت نے عجیب تفسیر فرمائی کہ بھائی قرآن سے مراد کلام
الٰہی ہے اور کلام الٰہی کبھی وحی سے ہوتا ہے اور کبھی الہام سے ہوتا ہے تو معنی
مصرعہ کے یہ ہیں کہ مثنوی کلام الٰہی یعنی الہامی ہے۔ (حضرت اس تفسیر کی بنا
پر تلاوت کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ (جامع)

حکایت (۱۷۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مثنوی پڑھاتے
تو خوب زور و شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہو جاتا تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے
اور فرماتے کہ ارے بھائی کچھ شربت بنا لو سر و با دو۔ بس یہ حالت تھی ع

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ۔ ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکیؒ سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں سے مُرید بھی تھے. سلسلہ درس و تدریس نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے. کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے. گاڑھے کا کرتہ پاجامہ نیلی لنگی یہ آپ کا لباس تھا. میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی حضرت مولانا صاحبؒ فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کیلئے سیا اول تو زیب تن فرمانے سے انکار کیا بعد میں میری خوشنودی کو پہنا. مگر جمعہ کی نماز پڑھکر فوراً اُتار دیا اور فرمایا میرا گاڑھے کا کرتہ دیدو. اسمیں عُجب پیدا ہوتا ہے. سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے اور سامان سفر لوٹا، لنگی، لکڑی، مشکیزہ ہوتا تھا. جہاں شام ہوجایا کرتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے. ایکمرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے کوئی مسلمان نہ تھا وہاں والوں سے کہا کہ رات کو لیٹنے کیلئے کوئی جگہ بتادو. تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر بتادیا. آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا. اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کیلئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سُنا. تمام شب بیتابی سے گذاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھادے. اسکے بعد آپکو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اسکے بچے بیوی وغیرہ سب مسلمان ہوگئے. ایکمرتبہ آپ کا جلال آبادیا شاملی گذر ہوا. ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کیلئے تشریف لاکر پانی کھینچا وضو کیا. مسجد میں جھاڑو دی. بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا جی سامنے خانصاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہوجائیں. آپ اُن

خانصاحب کے پاس تشریف لیگئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھے. آپنے خانصاحب سے فرمایا کہ بھائی خانصاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہوجایا کریں اور مسجد آباد ہوجائیگی. خانصاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ دو بُری عادتیں چھٹتی ہیں. آپنے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو. اسپر اُسنے عہد کیا کہ میں بے وضو ہی پڑھ لیا کروں گا. آپ وہاں سے تشریف لیگئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے. ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں. اول یہ کہ آپنے شراب اور زنا کی اجازت دیدی. دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے. فرمایا کہ سجدہ میں مَیں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کمر دا تو میں نے کردیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے. اُن خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے وہ غسل کرلیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی. بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی. بعد مغرب گھر پہنچے. طوائف موجود تھیں. اول کھانا کھانے گھر میں گئے. بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہوگئے. انکی شادی کو سات سال ہوگئے تھے اور آجتک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اسکی صورت دیکھی تھی. فوراً باہر آئے. رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیجدو. سنا ہے کہ ان خانصاحب کی پچیس سال میں کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی.

حکایت (۱۹۱) ایسے ہی ایکمرتبہ گڑھی پختہ تشریف لیگئے. ایک خانصاحب

اپنی زبان سے بار بار دُہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "ما منی کنیتم" بار بار دُہراتے تھے۔

حکایت (۲۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفرِ حج میں تھے اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں اسلئے آپ جہاز سے اُتر کر اُن کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ جب انکی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو اُن کی شہرتِ علم کی تصدیق ہو گئی اور آپنے اُنسے حدیث کی سند کی درخواست کی۔ اُن عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے (وہ عالم، شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے۔ اسلئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا شاہ اسحاق صاحب سے۔ وہ شاہ اسحاق صاحب سے بھی واقف نہ تھے اسلئے پوچھا کہ شاہ اسحاق صاحب نے کس سے پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب سے۔ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے۔ جب انکا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تمکو سند دیدوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے۔ پس جسطرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اُسکی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں۔ یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں انکا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے مولانا کو حدیث کی سند دیدی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سُنا ہے۔

حکایت (۲۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے۔ اگر

نہ باوجود کامل ہونیکے دوسرے اہل کمال سے استفادہ فرمانا کمال تواضع وحرص دین کی دلیل ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ (اشرف علی)

(درس علماء کی حکایات ص ۹۳)

کوئی بہت ہی اصرار کرتا تو کہدیتے تھے۔ ایکمرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے۔ وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا اور انہی کا وعظ مؤثر بھی تھا۔ دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اسوقت تک بے چینی رہتی ہے جبتک وہ اُن سے فراغت حاصل نہ کرلے۔ اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اسکے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اُسکی اُسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کیلئے جاؤں۔ سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اسکے وعظ کی تاثیر کے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اسلئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جبتک وہ ہدایت نہ کرلیتے تھے اُن کو چین نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اسلئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا۔

حکایت (۲۱۴) خانصاحب نے فرمایا حکیم عبدالسلام ملیح آبادی کو مولینا

نہ یہ اثر لازم ہے شفقت کاملہ کا اور اس بے چینی کے منع [illegible] ان آیات سے شبہ نہ کیا جاوے قولہ تعالیٰ
واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن علیهم ولا تك فی ضیق مما یمکرون۔ وقوله تعالیٰ لعلك
باخع نفسك ان لا یکونوا مؤمنین۔ وقوله تعالیٰ اما من استغنیٰ فانت له تصدیٰ۔ وقوله تعالیٰ
من اهتدیٰ فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انت علیهم بوکیل ونحوها
من الآیات۔ کیونکہ مراد ان آیات میں وہ درجہ ہے جس میں اشتغال مخل ہو افضل الاشغال
فی الضروریات الدینیة والدنیویة کو۔ (اشرف علی)

مولانا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا. مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب
تو مولانا کی خدمت میں جاوے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے چلنا. لیکن مجھ بد نصیب کے
دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان اور گویا آدمی ہیں
واجد علی شاہ کے طبیب خاص بھی رہے ہیں. اور حضرت مولانا کی خوش بیانی مشہور ہے
(یعنی بسط فی الکلام) یا تو وعظ میں ہوتی ہے یا سبق پڑھانے میں اور معمولی گفتگو میں
کی قصباتی ہے اور یہ زمانہ مولانا کی علالت کا تھا اور اسباق نہ ہوتے تھے اسلئے ایسا
نہ ہو کہ مولانا سے ملنے کے بعد یہ ان کو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے بد اعتقاد ہو جائیں
اور اختلاف خیال کے سبب میرے اور اُن کے لطف صحبت میں رخنہ واقع ہو جائیں
جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کو ساتھ نہ لیگیا. جب میں واپس
آیا تو بہت ناخوش ہوئے. اتفاق سے میرا دوبارہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونیکا ارادہ
ہوا مگر اس مرتبہ بھی میں نے ان سے اطلاع نہیں کی. لیکن حکیم صاحب کو کسی ذریعہ سے
میرا ارادہ معلوم ہو گیا اور وہ خود بخود ہاتھ میں بیگ لیے ہوئے میرے پاس آ گئے اور
کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلونگا. اب تو میں مجبور ہو گیا اور ہم تین آدمی، میں اور حکیم صاحب
اور محمد خاں صاحب خورجوی مولانا کی خدمت میں روانہ ہو گئے. جس وقت ہم دیوبند پہنچے
ہیں اُسوقت آفتاب غروب ہو گیا تھا اور ہم نے مغرب کی نماز اُس مسجد میں پڑھی
جہاں یکے کھڑے ہوتے ہیں. نماز پڑھ کر ہم تینوں پیدل حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر
ہو گئے. مولانا اس زمانہ میں مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر رہتے تھے. جب
مولوی محمود الحسن صاحب کا مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں محمد خاں کو حکیم صاحب
کیساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور ان سے پہلے مولانا کے پاس پہنچگیا. مولانا کا لباس اسوقت

یہ تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی
کا زمانہ تھا پہنے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بٹن لگے
ہوئے تھے اور نیچے کرتہ تھا کرتہ پھٹے ہی نہ تھے اور ڈھکا تھا اور ایک لنگی
اوڑھے تھے جو نیلی رنگی ہوئی تھی اور اس میں موٹی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی
اور کہیں تہی اور کہیں بالکل اُدھڑی ہوئی تھی. میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور عرض
کیا کہ حکیم عبد السلام حضور کی زیارت کیلئے آئے ہیں. تو مولانا یہ سمجھے کہ یہ مولوی عبد السلام
ہسوی ہیں جو احمد سعید صاحب کے خلیفہ اور شاہ عبد الغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد
تھے. میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبد السلام ہسوی نہیں بلکہ حکیم عبد السلام ملیح آبادی
ہیں جو مفتی حسین احمد صاحب کے لڑکے ہیں. مولانا مفتی صاحب سے واقف تھے
اسلئے انہوں نے انکو پہچان لیا. یہ گفتگو ہو چکی تھی. اتنے میں محمد خاں حکیم صاحب کو لیے
ہوئے مولانا کی خدمت میں آ پہنچے. جسوقت یہ دونوں آئے ہیں اسوقت مجلس کا یہ
رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان
کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جنکا مجھے نام یاد نہیں. اور مولانا
ایک طرف کو چارپائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور انکے برابر میں دیوبند کے
ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار
تھی. اسی مجلس میں مولوی عبد الکریم پنجابی مولانا کے شاگرد بھی تھے جب حکیم عبد السلام
پہنچے تو سب لوگ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے. حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ
میں تمام شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر مولانا کیطرف متوجہ نہیں ہوتے جب
میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے تبلایا کہ مولانا یہ ہیں. وہ مولانا سے مصافحہ کر کے

ہے مگر وہ قبول نہیں کرتے۔ تو انہوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب اور یہ لڑکے دیکھنے میں مصروف ہیں، جب انکو معلوم ہوا کہ یہ حضرت کے ہمارے بزرگ معلوم ہوتے ہیں تو انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے مصافحہ کرو، وہ لڑکا آیا اور اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اس وقت ان عالم صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را ؛ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

یہ شعر انکو سنا کر جواب سنو، میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت دے کہ مولوی سید علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے زندہ کر کے لاؤں اور انکو مولانا کی تقریر سناؤں اور اس شعر کو یوں پڑھوں ؎

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را

بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

حکایت (۲۱۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے ان سے چھوٹے مولوی منیر صاحب اور سب سے چھوٹے مولانا محمد یعقوب صاحب تھے۔ یہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کیساتھ باتیں کرتے تھے، ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیر الدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے، مولوی

ل اوپر گذر چکا ہے کہ ہر خوبصورت شے کے دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتی کہ سفر کر کے اونٹنی کو دیکھنے گئے یہ صاف دلیل ہے کہ ان کی نظر شہوانی نہ تھی۔ (اشرف علی)

منیر صاحب تو صرف قاسم جی کہہ کر خطاب کرتے تھے مگر مولوی امیر الدین صاحب تو بے حد بے تکلفی سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی امیر الدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کیساتھ اسقدر گستاخی کیساتھ گفتگو کرتے ہیں کچھ تو خیال کیا کیجیے۔ تو مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر میں اس انداز سے گفتگو نہ کروں اور ادب سے کام لیتا ہوں تو مولانا چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے میں ادب پر اس کی صحبت کو ترجیح دیتا ہوں[ل]۔

حکایت (۲۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ انصاری مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا اے قاسم تو کیوں نہیں جاتا؟ تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپے دیتے ہیں مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بنا پر جاؤں[ع]۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

حکایت (۲۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحمن خورجوی جو مورچہ والے مشہور ہیں ان کے نانا احمد خاں خورجوی مورچہ والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے مگر مولوی محبوب علی صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے تھے اور مولوی محبوب علی صاحب مولوی محمد اسحاق صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب پر نہایت فریفتہ تھے حنفی نہایت پکے اور بہت خوش عقیدہ تھے۔ اثنائے قصہ میں اتنی بات اور سن لو کہ میں مولانا نانوتوی سے بیعت بھی ہوا تھا اور ان کا نہایت معتقد بھی تھا لیکن ان کی باتیں میری

ل سے بچوں طمع خواہد زمن سلطان دین ؛ خاک بر فرق قناعت بعد ازین
مفردان کعبہ رسم قبلہ نیست ؛ چہ غم ار غواص را پاچیلہ نیست
اور کیا ٹھکانا ہے اتباع رضا کا کہ غیبت میں بھی وہی عنوان پسندیدۂ محبوب اختیار کیا۔

ع یہ پہلا جملہ کمال معرفت کی اور دوسرا جملہ کمال تقوے کی کہ جب بنائے خدمت متحقق نہ ہو تو خدمت کو قبول نہ کیا جاوے۔ صریح دلیل ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے علم و عمل۔ (اشرف علی)

سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اسلیے میں انکی بزرگی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اکثر تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ مولانا کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ان کی کس بات کی تعریف کرتے ہیں۔ اب پھر قصہ سنو۔ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے، مولانا نانوتوی بھی خورجہ تشریف لے آئے اور مولوی عبدالرحمن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا۔ مولانا ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں انکے سامنے مونڈھے پر بیٹھا تھا۔ اتنے میں احمد خاں مورچہ والے تشریف لے آئے اور آکر مولانا کی پائینتیوں بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے بعد مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت بعض اشعار مولوی رومی کے اور شیخ فریدالدین عطار کے اور شیخ سعدی کے اور بہت سے شعر حافظ کے ایسے ہیں جو قریب قریب کفر صریح کے ہیں۔ لیکن اچھے اچھے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ ان اشعار کو حد کفر سے خارج کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں اور ممکن سے ممکن تاویل ان کی تصحیح کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمدؒ و ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مخالفت کرتے ہیں اور ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ نہیں کرتے۔ علیٰ ہذا القیاس بعد کے لوگ جب امام ابوحنیفہؒ کے قول کو کمزور پاتے ہیں تو اسکو چھوڑ کر امام ابو یوسفؒ کے یا امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔ اس میں کیا راز ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نے مجھے مخاطب بنایا اور ایک لمبی تقریر کی جسکا خلاصہ مجھے یاد رہگیا ہے اور تقریر بعینہٖ محفوظ نہیں رہی۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کے ایمان کے مقابلہ میں[1] ان حضرات کے ایمان

---

[1] یہ جواب سائل کے خاص مذاق کے اعتبار سے ہوگا اور عام مذاق کے اعتبار سے یہ جواب ہے کہ ان حضرات کے ایسے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر ہے اور ان کی مقبولیت جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہے منافی کفر ہے اس لیے تاویل ضروری ہوئی کہ معانی ظاہری مراد نہیں، بخلاف ائمہ مجتہدین و علماء ظاہر کے۔ ان کے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر نہیں بلکہ صرف موجب خطا ہیں اور ان کے کمالات جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہیں منافی خطا نہیں اسلیے تاویل کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ معانی ظاہرہ کو مراد کہہ کر ان کو خطا کہہ دیا جاویگا۔ (اشرف علی)

بہت ضعیف ہیں۔ اسلیے اگر ان کے اقوال کی توجیہ نہ کیجاوے تو لوگ بیدریغ انکی تکفیر کردینگے۔ اور ابوحنیفہؒ کا ایمان اسقدر قوی ہے کہ اگر ان کے تمام مسائل کو بھی ضعیف کردیا جاوے تب بھی انپر کسی بدگمانی کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اسلیے ابوحنیفہؒ کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت نہ ہوئی اور ان بزرگوں کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت ہوئی۔ اور مجھ پر مولانا کی اس التفات آمیز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ میں مولانا کی تقریر کو سمجھنے لگا اور میرا وہ تعجب دور ہوگیا کہ لوگ ان کی اسقدر تعریف کیوں کرتے ہیں۔

حکایت (۲۱۸) خاں صاحب نے فرمایا کہ خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحاق نام، نہایت پابند صوم و صلوٰۃ اور ذاکر و شاغل تھے۔ یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایکمرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہوگئے ہیں اسلیے میں انکی عیادت کے لیے گیا۔ جاکر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کیلیے نہیں آئے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ہوں مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے۔ اور جب بیلوں کے سانٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے لگتا ہے اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے میں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھپر دوڑتے ہیں۔ اسلیے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ کسی کی آواز سن سکتا ہوں اسی لیے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا (نانوتوی) کو اطلاع دو۔

انہوں نے کہا کہ تم ہی لکھ دو۔ میں نے کہا کہ تم لکھ کر مجھے دیدو میں اپنے خط میں بھیجدونگا
انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی اور میں نے اپنے عریضہ کیساتھ اس کو مولانا کی
خدمت میں روانہ کر دیا۔ مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اسکا
جواب تحریر سے نہیں ہو سکتا۔ تم اُن سے کہدو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں چنانچہ یہ
گئے۔ مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دئے۔ یہ شخص
دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

حکایت (۲۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی نے خواب میں دیکھا تھا
کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کیطرف میرا منہ ہے اور
اُدھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔ اس خواب کو انہوں نے
مولوی محمد یعقوب صاحب برادر شاہ محمد اسحاق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا
کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس
شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ اپنا حنفی ہوگا اور اسکی خوب شہرت
ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلد ہی انتقال ہو جاوے گا۔ اور میں نے یہ خواب
اور اسکی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سنی ہے۔ مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس
خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا۔ لیکن خاص
لوگوں سے فرمادیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے۔ جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان
فرمایا اسوقت میں [illegible] تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے مجھ سے بے تکلف [illegible]

حکایت (۲۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب مظفر علی خاں کے یہاں ایک قصہ

ف حضرت [illegible] ہے کہ مولانا نے [illegible] اوراد و اشغال کے [illegible]
[illegible] واللہ اعلم [illegible] تھ یونہی واقعہ ہوا۔ (اشرف علی)

زار تھا۔ اور یہ قصہ خواں بہادر شاہ کا قصہ خواں تھا اور اس سے بڑھ کر دہلی میں کوئی
قصہ خواں نہ تھا۔ نواب صاحب کے یہاں اسے تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس
کے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہکلایا تو تلا یا اور کسی قسم کا آدمی ہو اس کی اسطرح نقل کر
دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف
لائے اور اعظم خاں نے مولانا کی دعوت کی۔ یہ قصہ خواں رافضی تھا اس نے مولانا سے
سوال کیا کہ حضرت میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے اجازت دی۔
اس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس میں تھی اور ابوبکر صدیق کیسے خلیفہ ہو گئے
جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خلیفہ نہ بنایا تھا۔ اس کے جواب میں
مولانا نے فرمایا کہ میں جواب عرض کرتا ہوں۔ مگر تم اسکے درمیان میں نہ بولنا۔ جب میں
تقریر ختم کر چکوں اسوقت جو کچھ شبہ ہو اسکو پیش کرنا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ مولانا نے
فرمایا اگر کوئی پہلوان یا پکیت یا کبیت بیمار ہو جاوے اور اس وجہ سے کشتی یا پکیتی
خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آوے اسوقت اپنے کسی شاگرد سے کہہ
کر تو سکھلا یا کوئی رئیس یا حاکم کہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا کسی
عہدہ دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا۔ اور شخص اس ماموریں اس خدمت مفوضہ کو
انجام دیں تو یہ استخلاف عملی ہو گا اور اس قسم کا استخلاف اس استخلاف سے کہیں بڑھکر
ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلاں میرا خلیفہ ہے۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب
دوسرا مقدمہ سنو اور اس کو ذرا غور سے سنو۔ ارکان اسلام چار ہیں۔ نماز روزہ۔ حج
زکوٰۃ۔ مگر دو ان میں اصل ہیں اور دو اُن کے تابع۔ نماز اصل ہے اور زکوٰۃ اس
کے تابع۔ کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے اور وہ اس کے دربار کی

تقریر اسقدر دلکش نہیں سُنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اسلئے اس کا تذکرہ بطور خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس تقریر کا اس قصہ خواں پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت اُس سے تائب ہو کر سُنی ہو گیا۔

حکایت (۲۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت حدیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے۔ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو احب فرمایا ہے کہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ابوبکر صدیق کی نسبت حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اور یہ بات (جس میں مادہ خلت ہو) کسی اور کے لیے نہیں فرمائی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادوں کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں چنانچہ جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فاء فعل کی جگہ) ش ہوگا۔ اسکے معنی میں علو کے معنے پائے جائینگے جیسے شرف، شر، شیطان وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے انہیں علیحدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائینگے جیسے خلوت خلو بیت الخلا، خلیفہ، خلال وغیرہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اسکے بیچ میں ایک خلا ہوتا ہے پس تمام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں جو قلب کے اندر ہوتا ہے۔ جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے معنی یہ

لہ یعنی متقارب اور خلاصہ اس مذہب کا ہے تو یہ میں کیسا کچھ ہوگا۔ ته اگر اسپر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی حالت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اسکے عکس کا شبہ ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حکم کا بنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے محاورات میں خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر۔ (اشرف علی)

ہے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں ہے اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کو ہوتی اور جب ابوبکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو معلوم ہوا کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد ہوگی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردوں سے ہوگا اور ابوبکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے ہو جو جوف قلب سے قریب تر ہے۔

حکایت (۲۲۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود الحسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی لاؤ۔ مولوی محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف ایک ککڑی پھیکی سی ملی۔ اس کی خبر کسی ذریعے سے لکھنؤ مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کو ہو گئی کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے۔ اسپر مولوی عبد الحی صاحب نے لکھنؤ سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند مرتبہ بھیجیں۔

حکایت (۲۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اسکا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو اپنا احسان سمجھے۔ اسکا ہدیہ لے لینے کو جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار پیسے ہی ہوں۔

حکایت (۲۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اس زمانہ میں انکے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر

لہ اسکو منافی زہد سمجھنا تقشف خلاف سنت ہے۔ خود احادیث میں بعض اشیاء کی رغبت ظاہر فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلیٰ درجہ کی عبدیت و محبت منعم ہے۔ ته وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا خاود اسکو ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے۔ اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدی الیہ کو ذلیل سمجھا جاوے۔ (اشرف علی)

دیکھ کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا
جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں۔ لیکن شاہ صاحب کی کتاب
میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی اوّل ہی دفعہ میں فرما دیتے تھے
بارہا اسکا تجربہ کیا۔

حکایت (۲۲۴) حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا
نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رامپور کا
ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے
پشتینی عداوت تھی، حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے
دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے
کہ ہر جگہ کے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے۔
یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعد جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے
کے لیے والی کو تیار کر رہا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ
[illegible] ہے۔ [illegible] ہم بھی ہر قسم کی خبر رسانی اور تفتیش حالات کے لیے گورنمنٹ
کی مدد کے لیے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لیے احکام جاری ہوئے اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اس نے حکومتِ ہند کو رپورٹ کی کہ جو
لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقضِ امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ
خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔
اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا
ہوں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی ردائے مبارک میں مجھے
ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لیجاتے ہیں سوتے اور جاگتے اکثر اوقات
یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور ردائے مبارک میں لیے رہتے ہیں اور
الگ کرنا نہیں چاہتے۔ سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی
مفسدہ پردازی اور شر سے تحفظ منظور ہے۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا کہ نہیں بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ
اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگاتے نہیں شرماتے
تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے۔ کہ یہ لوگ اس قابل نہیں
ہیں چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی۔

حکایت (۲۲۵) حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ رامپور کے اُسی مخالف و معاند
خاندان کے دو رکن دو بھائی تھے جن سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن سے
میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب رامپور تشریف لیجاتے تو ان دونوں
بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملتے۔ حضرت حکیم ضیاء الدین
صاحب کے مکان پر آتے۔ اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے زمانہ میں
بھی حضرت کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کو ناگوار ہوتا تھا کہ

یہ ایسا کشف ... ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں ... حضرت گنگوہی نے کبھی ... [illegible]
... اصلی ... وجدان ہے۔ (اشرف علی)

اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں، حالانکہ انہوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے۔ مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا۔
ایک دفعہ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی دونوں کا رامپور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسبِ عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحب[1] نے حضرت گنگوہی کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے۔ حضرت مسکراتے رہے۔ جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا تو حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرماتے ہیں آپ ان کے قلب کی حالت کو ملاحظہ نہیں فرماتے جس شخص کے دل میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں جانے سے روک سکتے ہیں اور کہیں چلے جانے سے ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

حکایت (۲۳۶) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جب مباحثہ شاہجہانپور ہو چکا اور حضرت مولانا نانوتوی مظفر و منصور ہو کر واپس تشریف لے آئے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کو ان سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اور وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کے مجمع میں اسلام کی ایک منادی ہو جائے اور خدا کی رحمت اس کے بندوں پر پوری

[1] حکیم صاحب کی رائے کا منشا، دین کی حفاظت کے ساتھ کہ دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے تدین کا شبہ نہ ہو جائے ایک گونہ پندِ نفس بھی ہے گو مباح ہے چنانچہ انکا یہ خیال کہ انہوں نے کیا کیا زبردست الزام [illegible] ہیں اسکی دلیل ہے کہ حضرت گنگوہی کے جواب کا منشا ان کا غلبہ حال ہے، تواضع سے معذور رہونا ہے، باقی [illegible] شبہ سو اللہ تعالیٰ اپنے مغلوب الحال بندوں کو سبب بخشنے کے بھی محفوظ رکھتے ہیں، اور [illegible] کا عذر سب پر واضح فرما دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی کے اس ارشاد میں کہ ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے اثر عام [illegible] متعدی کو۔ (اشرف علی)

ہو جائے۔ سو وہ اس میلہ خداشناسی (مباحثہ شاہجہانپور) میں ہو چکا۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وفات ہو گئی۔[1]

حکایت (۲۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں رڑکی تشریف لے گئے تو علاوہ اور خدام کے منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہجی عاشق علی بھی ہمراہ تھے۔ منشی نہال احمد کو (جو نہایت ذکی تھے) دیانند کے پاس شرائطِ مناظرہ طے کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ منشی صاحب اسکی قیامگاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کے لیے کھانا لایا گیا۔ کئی بڑی بڑی تھالیں پوریوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی جس کو یہ کئی آدمیوں کا کھانا سمجھے مگر وہ اس اکیلے کے لیے آیا تھا اور اسی تنہا نے سب تھالیں صاف کر دیں۔ منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بطورِ مزاح کہا کہ اگر ہمارے مولانا سے علم و فضل میں مناظرہ ہوا تو انشاء اللہ مولانا غالب آئیں گے ہی۔ لیکن اگر کہیں کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا؟ (کیونکہ حضرت نہایت قلیل الاکل تھے) یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نہال احمد صاحب بلائے گئے۔ حضرت قیامگاہ کا چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑے تھے کہ یہ حاضر ہوئے اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا سوال ہوگا۔ اور کہیں وہی بات پہنچ گئی ہے تو دیکھئے کیسی ڈانٹ پڑے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ منشی جی تم نے کیا کہا تھا میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے وہی مقولہ دبی زبان سے دہرا دیا۔ فرمایا کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوگا تو تم ساتھ ہو۔ اب دوسری بات

[1] یہ استدلال ذوقی ہے، اور اس کی نظیر حضرت عمر و حضرت ابن عباسؓ کا سورۂ نصر کے نزول سے قربِ وفاتِ نبوی پر استدلال ہے۔ رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ النصر (اشرف علی)

حکایت (۲۲۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کے پاس مظفر نگر تشریف لیگئے۔ ڈاکٹر صاحب اس زمانہ میں جیل کے ڈاکٹر تھے۔ حضرت جیل کی سمت تشریف لیجارہے تھے۔ ساتھ میں لوگوں کا مجمع تھا جیل کو جب تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا تو کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کی پیشینگوئیاں بسا اوقات اپنے وقت سے ٹل جاتی ہیں اور انبیاء اللہ کی پیشینگوئی اپنے وقت سے نہیں ٹل سکتی۔ تو کیا اولیاء اللہ کو غلط کشف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ سامنے کونسی عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا جیل ہے۔ فرمایا کہ اس میں کوئی شک ہے یا یہ بات یقینی ہے۔ عرض کیا کہ نہیں بلاشک جیل ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ کے اندازہ میں اس جیل کو یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا۔ عرض کیا کہ تقریباً سو قدم۔ فرمایا کہ سو کے بجائے نوے یا ایک سو پانچ بھی ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بیشک ہو سکتے ہیں کیونکہ تخمینہ ہی تو ہے۔ فرمایا کہ یہی حال ہے کشف اولیاء کا کہ وہ شے بالکل حق ہوتی ہے جو وہ دیکھتے ہیں۔ مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اسلئے اسکی توقیت یعنی زمان و مکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے جس میں غلطی بھی ممکن ہے۔ اس کے بعد جب جیل کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہ تقریباً دو قدم رہ گیا تو فرمایا کہ یہ کیا عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ یہ جیل ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ کتنی دور ہے۔ عرض کیا کہ صرف دو قدم۔ فرمایا کہ دو کے تین یا ایک تو نہیں ہو سکتے۔ عرض کیا کہ ابتو دو قدم یقینی ہے۔ فرمایا کہ یہ حال ہے کشف انبیاء کا۔ وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انہیں اس شے کے سر پر پہنچا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے اُن سے تخمین و تعیین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

جو حقیقت ہے وہ سنو۔ تمہارے دل میں یہ سوال پیدا کیوں ہوا اور یہ سوال کیوں تم کو پیدا ہوا کہ اگر [illegible] اہل اور خاکوں میں مناظرہ ہو تو کون غالب ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے بہائم اور جانوروں کی، اور دیکھنا کس کی صفت ہے حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی۔ تو تم مجھ سے مناظرہ جہالت میں کرانا [illegible] ہو۔ مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہل میں۔ اگر اس میں مناظرہ ہوا تو کسی [illegible] کو [illegible] کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ کھاتا ہے۔

حکایت (۲۳۰) خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت نانوتوی سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں اس سے کیا فائدہ۔ جبکہ نہ کسی کی برائی کسی پر پڑیگی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آویگی۔ یہ سائل ایک مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ جناب تم اس مجمع میں پنکھا کس کو جھل رہے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو۔ فرمایا کہ جو اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں مگر جب قریب پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی۔

[illegible]

حکایت (۲۴۰) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند مرحوم نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا اس کا خیال مجھے گذرتا تھا۔ اور حضرت قبلہ والد مرحوم نے اس واقعہ کو یوں فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایا بلکہ اہتمام کے لیے مجھے طلب فرمایا اور میں وہی کرتا ہوں جو انہیں مکشوف ہوتا ہے۔ علم اُن کا ہے عمل میرا ہے۔ اُنکے منشاء علمی و کشفی کو میں سمجھ کر فوراً عملدرآمد کرتا ہوں۔

حکایت (۲۴۱) مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدرآبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے احقر سے فرمایا جبکہ احقر حیدرآباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

حکایت (۲۴۲) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتوی کے ہمعصر تھے اور بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے غایت بے تکلفی میں ہمعصرانہ طریق پر حضرت نانوتوی کو فرمایا کہ گنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ، تو جا کر ہل جوت کھیتی کر۔ حضرت نے ہنس کر جواب دیا۔ ایک بھینسا تو موجود ہے (اشارہ تھا

مولانا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور دوہرے تھے) دوسرا ہو جائے گا تو ہل جُڑے گا۔

حکایت (۲۴۳) والد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ چھتے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجا کے لیے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے کہ تو یہ سارے لوٹے مختون ہی ہیں۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ "پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے"۔ (گویا مختون سے کیا ڈر ہے)

حکایت (۲۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب ..... بڑے معقولی تھے اور کسی کو اس میدان میں اپنا ہمعصر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دن حضرت نانوتوی کا وعظ ہوا اور اتفاق سے سامنے وہی تھے اور مخاطب بنگئے اور معقولات ہی کے مسائل کا رد شروع ہوا۔ وعظ کے بعد انہوں نے کہا اللہ اکبر یہ باتیں کسی انسانی دماغ کی نہیں ہوسکتیں یہ تو خدا ہی کی باتیں ہیں۔ مجھ پر تو یہ اثر ہوا ہے کہ خودی مٹ رہی ہے۔ اسی مجلس میں حضرت سے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں جب آپ جائیں تو پھر وہاں تجدید بیعت کر لیں۔ چنانچہ جب مولانا گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ

خیال ہے کہ مزاح دونوں حضرات کے غایت تواضع کی دلیل ہے متکبرین ایسے عنوانات کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ دوسرے اس مزاح میں ایک تو یہ ہے ایک پہلو تو وہی ہے جس کی طرف ناقل نے بین القوسین اشارہ کیا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹونٹی کے ٹوٹ جانے سے پانی کم رہتا ہے اور گرتا بھی زیادہ ہے جو بعض اوقات بڑے استنجے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ پس اس مزاح کو فحش نہیں کہہ سکتے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قصداً ان مسائل کا رد شروع فرمایا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی ہو تو مدعی کی اصلاح کے واسطے ایسا بھی جائز ہے۔ (اشرف علی)

سے تجدیدِ بیعت کرلی۔

حکایت (۲۴۵) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا احمد مظہر صاحب نانوتوی بھی موجود تھے اور ختمِ وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا آنکھ سے ہوتے ہوئے کوئی واعظ وعظ کہہ کر کیا ایسی تیسی کھائے گا۔ یہ علوم کہاں سے لائیگا اور یہ اثر کہاں سے آئے گا۔

حکایت (۲۴۶) حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مناصمت اور منازعت کی صورت اختیار کرلی۔ اور مولوی محمود الحسن کو اصل جھگڑے میں نہ شریک ہونا تھا نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے۔ اور یہ واقعہ بہت طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نمازِ فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دار العلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسدِ عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے[1] جس سے میں ایکدم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تر بتر

[1] یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے۔ دوسری یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کرلیا ہو مگر وقت گذر جانے پر پھر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے۔ (اشرف علی)

ہوگیا۔ اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہدو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہی کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اسکے بعد میں اس قضیہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حکایت (۲۴۷) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم حضرت نانوتوی کے اخلاقِ مربیانہ اور شفقت و رحمت کی تعریف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بس حضرت کے تعلق کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوا ہوں ظاہر ہے کہ مجھ سے انہیں کتنا انس ہوگا۔ اچانک میں گرفتار ہو کر دائم الحبس کردیا جاؤں کہ پھر میری واپسی اور ملاقات کی کوئی توقع ماں باپ کو نہ رہے ظاہر ہے کہ ان پر کس درجہ غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے کہ گویا وہ قبل از مرگ ہی مرجائیں گے اور پھر میں اچانک رہا ہو کر آؤں اور ایکدم ماں باپ کے سامنے پہنچ جاؤں تو تم بتلاؤ کہ انکی اسوقت کی خوشی و مسرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ میں اگر دن میں دس مرتبہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تو مجھے دیکھ کر اتنی مرتبہ ہی خوش ہوتے تھے جتنا کہ میرے ماں باپ اس وقت خاص میں خوش ہو سکتے تھے۔

حکایت (۲۴۸) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی عموماً بیعت اپنے مرشد کی طرف سے کرتے تھے۔ چند ایک ہی لوگ تھے جنکو براہِ راست اپنے سے بیعت فرمایا۔ ایک دیوان محمد یٰسین مرحوم دیوبندی کہ جب انہوں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ جاؤ گنگوہ جاکر بیعت ہو۔ وہ فوراً گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گنگوہ سے واپس ہو کر پھر درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے گنگوہ

جاکر بیعت نہیں کی عرض کیا کرلی۔ فرمایا کہ پھر اب دوبارہ بیعت کیسی۔ عرض کیا کہ حضرت وہ تو تعمیل ارشاد تھی۔ مگر بیعت تو حضرت ہی کرینگے۔ آخر کار خود حضرت نے بیعت فرمایا۔

حکایت (۲۴۹) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہ سارے بزرگ آفتاب و مہتاب تھے۔ ایک سے ایک اعلیٰ افضل تھا۔ لیکن بہر حال جکی قیامگاہ پر جاکر دیکھا ضروریات زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا۔ حضرت گنگوہیؒ کے حجرہ میں بہر حال سامانِ مباح میں سے ضروریات تھیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے حجرہ میں بہر حال کچھ نہ کچھ اشیاء نظر پڑتی تھیں۔ لیکن اس منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرہ میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی تھی گویا عمر بھر کیلئے اسی ایک چٹائی کو منتخب فرمالیا تھا۔ نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گٹھڑی بندھتی تھی۔ سفر میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے، کپڑے لگاتے، سامان سفر مہیا ہوتا اہتمام ہوتا۔ لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا۔ اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی کے پاس رکھوادیا۔ ورنہ عموماً اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی۔ جب کپڑے زیادہ میلے ہوگئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار دیے اور خود ہی دھو لیے اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کیساتھ رہتا تھا۔ بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن (یا انگرکھا) اور پاجامہ۔ سردی ہوتی تو مختصر سا معمولی عمامہ ورنہ عموماً ایک کنٹوپ تمام سردی میں سر پر رہتا تھا۔ مدة العمر

---

[1] پس یہ صورت بیعت تھی۔ مگر چونکہ مقدمہ حقیقت بیعت تھی اسلیے بیکار نہ تھی۔ اور چونکہ قرائن سے متیقن تھا کہ شیخ اول کو یہ ناگوار نہ ہوگا۔ اسلیے خلاف طریقت نہ تھی۔ (اشرف علی)

کبھی کپڑے میں بٹن کبھی نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے۔ بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لیے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کیلئے سب کچھ تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی دنیا ہی کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا۔ بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لیے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے۔ (اور یہی) فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے۔[1]

حکایت (۲۵۰) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خاں صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے طبیعت کے بہت پختہ تھے اسلیے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی پھر یکسوئی اور انہماک کیساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا۔ اور اسقدر اسکی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ راتدن اسی کے تصور میں گذرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہوگئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا۔ لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی ایسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کیساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اسقدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں۔ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ اسمیں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا۔ اور

---

[1] مقصود دو امر طریق میں جمعیت قلب ہے فطرۃً کسی کو ترک اسباب میں جمعیت ہوتی ہے کسی کو مباشرت اسباب میں۔ پس دونوں میں تفویض ہے محبوب کی تجویز تکوینی کیطرف۔ اور تشریعاً دونوں امر مرضیہ ہیں۔ اور نصوص سے اجتناب یہ احتیاط ہے باقی شیوع عام جس سے دیکھنے والے کو کھٹکا نہ ہو رافع تشبہ ہے۔ (اشرف علی)

کوئی خفگی و ناراضگی نہیں ظاہر کی، بلکہ دلجوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار
اب مجھ پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے
لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا کیا
کروں کہاں جاؤں۔ آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور رو رو کر
عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرما دیجئے۔ میں تنگ آگیا اور عاجز آچکا ہوں۔
ایسی دعا فرمائیے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔ تو ہنس کر
فرمایا کہ بس مولوی صاحب، کیا تھک گئے۔ بس جوش ختم ہوگیا۔ میں نے عرض کیا کہ
حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہوگیا تمام ہوگیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں
ہوسکتا۔ خدا کیلئے میری امداد فرمائیے۔ فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب جب ہم نماز سے
فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب
حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی۔ مولوی صاحب۔ میں نے عرض
کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے
ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے
اسطرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے
نیچے ہوں۔ اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا میں دربار
الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اسوقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کیفیت اور

*یہ ایک اثر تھا تصرف کا، مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے عن ابی کعب (فی قصۃ
اختلاف القرأتین وتصویبہ صلی اللہ علیہ وسلم کلیہما) فلما رای رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ فرقا الحدیث
(باب بیان القرآن انزل علی سبعۃ احرف) ونقل النووی عن القاضی ضرب صلی اللہ
علیہ وسلم فی صدرہ تثبیتا لہ حین راہ قد غشیہ ذلک الخ اھ لم العلی موم اور حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اگر وحی سے تھا تو اس کے تصرف ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اجتہاد سے تھا تو غالب

خوف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گذر گیا اور حضرت
برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی
فرو ہوگئی۔ فرمایا جاؤ۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی
صاحب کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا، دل میں
اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں رہی۔ فرمایا، اللہ کا شکر کرو۔ والحمد للہ ذالک۔

حکایت (۲۵۱) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند جاری
ہوچکا تھا۔ لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہیں بنی تھی۔ بلکہ کرایہ کے مکانوں میں،
مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت
نانوتوی کی رائے یہ ہوئی کہ کرایہ کے مکانوں سے کام نہ چلیگا۔ بلکہ ایک مستقل جگہ مدرسہ
کے نام سے ہونی چاہیئے۔ سب نے اس رائے پر لبیک کہا لیکن حاجی محمد عابد صاحب
مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف
برداشت کرنے کی، جامع مسجد کی عمارت کافی ہے۔ اسکے ہر چہار سمت حجرے بنا
دئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں۔ لیکن بقول حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶ یہی ہے کہ تصرف تھا۔ البتہ ایسے تصرفات کا وقوع بہت ہی نادر منقول ہے۔ اور
اس میں بھی شبہ ہے عدم تصرف ہونیکا۔ پس وقوع تصرف کا حکم جازم محتاج دلیل ہے۔ اور مشائخ چونکہ صاحب
وحی نہیں ان کے ایسے افعال قرائن سے تصرفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے محققین نے اسکو کمالات مقصودہ
میں شمار نہیں کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تصرفات کا صدور قوت نفسانیہ سے ہوتا ہے۔ اور جسطرح قوت
جسمانیہ کمالات مقصودہ سے نہیں جیسے مصارعۃ اسی طرح قوت نفسانیہ بھی اور اسی وجہ سے یہ قوت اہل باطل
میں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عادت راسخ (یعنی تصرف) نباشد۔ تو وہ اس کے عدم کو اس
کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس میں شان عبدیت سے بُعد ہے اور یہ وجہ افعال
جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ ان میں اسباب مادیہ کیطرف احتیاج ظاہر ہے جو عین عبدیت ہے اور تصرفات نفسانیہ
میں اسباب مخفی ہیں اسلئے احتیاج کی شان اس میں مخفی ہے۔ نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے
اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عجب کا خطرہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ (اشرف علی)

آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپکے چھوٹے ہیں، یہ آپنے اپنے چھوٹوں کیساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی۔ کچھ ان الفاظ کا ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آ کر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل پڑیں اور کہا کہ مولانا بندہ میر اقصور معاف فرمایئے۔ حضرت نے حاجی صاحب کو اٹھا کر گلے لگایا اور فرمایا حاجی صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ تو ہمارے بزرگ ہیں بڑے ہیں بعض حضرات حاجی صاحب کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھد کر تیار تھی۔ اسوقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اسوقت وہاں نہو، سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر جمع فرمادیا تھا۔ اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے۔ حضرت کا اسوقت ایک خاص امتیاز تھا۔ لوگوں کی رائے ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہونے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے۔ کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے۔ کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے اور آگے کسی کو فرمادیتے تھے۔ مدرسہ قائم ہوا، اسکے انتظامات ہوتے، اسمیں علمی کارنامے ظاہر ہوئے اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے نام کرایا۔ غرض کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔ بہرحال جب بنیاد رکھنے کے لیے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا، فرمایا یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب دام ظلہٗ کے نانا تھے، اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور بزرگ بھی ہیں۔ اور پھر حاجی صاحب اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اوّل ان دو حضرات

نے اینٹ رکھی، پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑھایا کہ آپ اینٹ رکھیں۔ انہوں نے رکھی۔ لوگوں نے کہا حضرت آپ بھی تو اینٹ رکھیں۔ فرمایا۔ ہاں میں بھی تو آپ سب کیساتھ حاضر ہوں۔ اور پھر خود بھی اینٹ رکھی۔ اُسدن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالامال تھے۔

حکایت (۲۷۱) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا۔ جب حضرت نانوتویؒ دہلی میں تعلیم پاتے تھے جس راستہ کو جاتے تھے اسمیں ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اُسنے بُلایا۔ مولانا کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ کہا تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ مولانا نے کتاب سامنے کردی۔ اُسنے اوراق اُلٹ پلٹ کر کے کچھ من من کی پھر کتاب بند کر کے کہا۔ جا تو بڑا عالم ہے۔

حکایت (۲۷۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب۔ پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا (لڑکی) کے لیے تعویذ مانگتا بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ روپوش ہوکر پنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں۔ اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا۔ اسپر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں ہمنے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو اُدھر کی صف لوٹ گئی اور جب بایاں سلام پھیرا تو اُدھر کے آدمی گر گئے۔ نہ حلقہ تھا نہ مجلس۔ غرض عبداللہ شاہ

ایں رتبہ کے تھے اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ انہی اکثر ملنے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور ان کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے یہ کہتے کہ او حاجی قاسم! اسپر مولانا فرماتے کہ حضرت میں تو حاجی نہیں ہوں۔ تو فرماتے کہ بھائی زبان سے یونہی نکل جاتا ہے۔ جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو راہ پنجاب فیروزپور کے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے بمبئی پہونچ فرمایا ہے۔ راستہ میں پنجاب کا علاقہ بھی پڑتا تھا۔ مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، فرمایا کہ بھائی میں تو پنجاب سے حضرت جاؤں گا اور راؤ عبداللہ شاہ صاحب سے ضرور ملوں گا۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ او حاجی قاسم۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کو جا رہا ہوں۔ فرمایا کہ پھر میں نے تمہیں حاجی ہی کہا تھا۔ رخصت کے وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمایئے۔ اسپر فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکایت (۲۵۴) مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی دہلی میں مولانا مملوک علی صاحب سے جب تعلیم پاتے تھے تو وہاں کے کالج میں نام مولانا کا داخل نہ تھا، مگر بطور خود پڑھتے تھے۔ لیکن امتحانات کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آیا تو رام چندر جو بڑا مہندس تھا اور ہندو سے کرشان ہو گیا تھا، ہندسہ کا اوستاد تھا۔ اس نے مولانا کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا لیکن مولانا مملوک علی صاحب نے اس سے فرمایا کہ قاسم درس میں داخل تو نہ ہوگا مگر امتحان میں ضرور شامل

ہوگا۔ اور یہ محض اپنی کمالِ فراست اور تجربہ کی بنا پر فرمایا تھا۔ نیز مولانا نے گوارا نہ کیا کہ یہ استاد غیر مسلم ہو۔ اور اس سے کراہت کی۔ بہرحال جب امتحان کا زمانہ قریب آگیا تو مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اقلیدس کے مقالے اور اشکال ایکے یہ امتحان دینا ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا نے صرف ایک شب میں اقلیدس دیکھی اور چودہ پندرہ شکلیں دیکھی تھیں کہ اس سے جی گھبرا گیا تو چھوڑ دی اور پھر نہیں دیکھی۔ کالج میں اسکی شہرت تھی کہ فلاں طالب علم ہندسہ میں بے پڑھے امتحان دیگا۔ حتی کہ رام چندر کو بھی اسکا علم ہوا۔ تب اس نے اپنے پایۂ ناز شاگرد مولوی ذکاء اللہ صاحب کو جو فن ہندسہ میں صاحب تصانیف بھی تھے بلاکر چند سوالات سمجھا دیے اور حضرت کی خدمت میں بطور امتحان بھیجا۔ انہوں نے سوالات کیے اور حضرت مولانا نے فرفر جوابات دینے شروع کیے۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ چند سوالات میں بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ کیے، مگر وہ جواب سے عاجز رہ گئے۔

(۲۵۵) مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ایک انگریز مہندس نے اشتہار[1] دیا تھا کہ اگر کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کر دے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے۔ مظفر نگر کے منصف صاحب بھی فن ریاضی اور ہندسہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ انہوں نے اس پر دلائل قائم کیے۔ اور اپنے زعم میں اُسے ثابت کر دیا۔ لیکن میرٹھ پہنچے اور وہاں کے کسی حاکم اعلیٰ کو وہ دلائل دکھائے اُس نے کہا کہ بالکل صحیح ہیں۔ آپ اس کا اعلان کریں، ضرور آپ

---

[1] یہ احقر اس زمانہ میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔ میں نے اشتہار کے مضمون کو اس عنوان سے سنا تھا کہ زاویہ کی تنصیف تو دلیل سے ثابت ہوگئی ہے مگر اس کی تثلیث کا نہ وقوع ثابت ہوا نہ امتناع۔ اگر اسکا کوئی وقوع ثابت کر دے وہ ایک لاکھ روپے انعام کا مستحق ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس ثانی دارالعلوم دیوبند نے اُس کی تغلیط میں مفصل تحریر لکھی تھی۔ سو ان دونوں جزوؤں کو واقعہ مذکورہ روایت بالا سے کوئی تعارض نہیں۔ (اشرف علی)

اس اقدام کے مستحق ہو گئے، لیکن ان کے دل میں کوئی اطمینان پیدا نہ ہوتا، وہ چاہتے
تھے کہ اگر اس پر مولانا ایک نظر ڈالدیں تو مجھے اطمینان ہو جائے۔ مولانا کا منتظر رہا ہوا
ان منفعت صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے (جو حضرت مولانا کے
خاص لوگوں میں تھے) کہا کہ کوئی ایسا وقت بھی میسر آ سکتا ہے کہ میں مولانا کو یہ تحریر
دکھا دوں۔ انہوں نے کوشش کی مگر وقت نہ نکل سکا، یہاں تک کہ روانگی کا وقت
آ گیا اسٹیشن پر تشریف لے آئے، لیکن گاڑی دس بیس منٹ لیٹ تھی، اسوقت
فوراً ان منفعت صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب میری تحریر سنوا دو، چنانچہ
ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا اور بعد منظوری منفعت صاحب نے وہ تحریر سنائی، اس کو
سرسری حضرت نے سنا، سب سے آخر میں فرمایا کہ سب صحیح ہے مگر دلیل کا فلاں
مقدمہ نظری ہے، حالانکہ اقلیدس کی تمام دلائل کی انتہا بدیہی مقدمات پر ہوتی ہے،
اور اسی لیے اس کے تمام دلائل قطعی سمجھے جاتے ہیں، چونکہ وہ سب صاحب فنی
تھے فوراً سمجھ گئے اور وہاں سے واپس ہوئے، اسپر ڈاکٹر صاحب نے بطور مذاق
فرمایا کہ تمہیں کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ مولانا کو یہ تحریر سنائی اور اپنی ساری کاوشِ
دماغ کو غلط ثابت کر دیا، تم اعلان کر دیتے، اشتہار دینے والے اسے کیا سمجھتے۔
لیکن یہ انکی دیانت تھی کہ جب ان کی تحریر میں غلطی نکل آئی تو پھر انہوں نے اسکی
اشاعت نہ کی۔ اگرچہ وہ ایسی غلطی تھی کہ عموماً اس کا سمجھنا دشوار تھا۔

حکایت (۲۵۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ نے چند دن اقلیدس کا درس بھی دیا ہے، چنانچہ میں جب اقلیدس پڑھتے
تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اٹھا کر اور زمین پر انگلی

انگلی سے شکل کھینچ کر سمجھا دیتے تھے، نہ پرکار تھی اور نہ اوزار تھے۔

حکایت (۲۵۷) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ
میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور
صاحب دل بھی آ نکلے، انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سنے جو مثنوی
میں بیان فرمائے جا رہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش اگر اس شخص کو اس
ظاہر علم کیساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے
خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی
علوم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہِ انکسار فرمایا، جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں،
اگر آپ ہی مجھ پر نظرِ شفقت فرما دیں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اسپر وہ بزرگ متوجہ
ہو کر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے
تھوڑی ہی دیر میں، وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ
جوہر بھی علی الوجہ الاتم موجود ہے۔

حکایت (۲۵۸) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبد العدل
صاحب یا کسی اور نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جب آپ سے کوئی کسی بات
کا سوال کرتا ہے تو آپ برجستہ فرما دیتے ہیں کہ اسکے تین جواب ہیں یا پانچ جواب
ہیں تو کیا آپ نے پہلے سے سوالوں کے جوابات سوچ کر انکی فہرست لگا رکھی ہے۔
یا آپ سوچ کر آتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے
اور اتنے ہی جوابات دیکر طبیعت رک جاتی ہے۔

حکایت (۲۵۹) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ

محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آبحیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ آبحیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دیے تھے کہ انہیں کوئی نہیں سمجھے گا۔ وہ مولانا محمود حسن صاحب کے پاس علم محترم نے خود دیکھے۔ لیکن اب بھی آبحیات (رسالہ) کا پانا آبحیات (چشمۂ حیات) پانے سے کم مشکل نہیں ہے[1]۔

حکایت (۲۶۴) مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ سے ملنے کیلئے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ ریل نہ تھی، مراد آباد سے [illegible] طرح چلے کہ خود حضرت پا پیادہ ہو لیے۔ منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجبر منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کہ کون ہیں فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا تاکہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفاء

[1] یہ دونوں واقعے احقر نے بھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے تھوڑے تفاوت کے ساتھ سنے ہیں اور دوسرے واقعے کی نسبت یہ بھی سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان اوراق کے جدا کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وجہ اسکی یہ بیان فرمائی تھی کہ ان میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اول تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا۔ اور اگر سمجھ لیا تو پھر اس کا جواب سمجھ میں نہ آویگا اور شبہ ہی میں مبتلا رہیگا۔ (اشرف علی)

سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں کھڑی ہو جائیں۔ لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سنا کہ مولانا رامپور تشریف لیجا رہے ہیں اور خفیہ جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ غضب ہو گیا۔ مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی اور وہاں کے تمام اہل معقول یہ اڑائیں گے کہ چھپ کر نکل گئے۔ اسلیے اہل مراد آباد نے ایک شخص کو رامپور روانہ کر دیا اور اس نے پہنچتے ہی حضرت کی تشریف آوری اور جائے قیام کی عام شہرت دیدی۔ تمام رامپور میں یہ خبر پھیل گئی۔ مولوی ارشاد حسین صاحب مشہور معقولی جو حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد یعنی مولانا کے استاد بھائی تھے، گو بعض مسائل میں مختلف تھے ملنے آئے اور ایسے ہی مولوی عبد العلی صاحب منطقی بھی ملنے آئے۔ اور مولوی ارشاد حسین صاحب نے قیامگاہ کے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے تلامذہ اور دوسرے علماء سے کہا کہ اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو مت چھیڑنا۔ بہر حال خبر پھیل چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق ملنے کے لیے آنے لگے۔ اور جب شہرت ہو ہی گئی تو حضرت مولانا احباب سے ملنے کیلئے شہر تشریف لے گئے۔ ایک موقعہ پر جبکہ حضرت کسی سے ملنے کو تشریف لیجا رہے تھے پیچھے مولانا احمد حسن صاحب تھے کہ مولوی عبد الحق صاحب کے چند شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو تحذیر الناس کے بارہ میں چھیڑنا شروع کیا۔ مولوی احمد حسن صاحب حضرت مولانا کے لحاظ و ادب کیوجہ سے دب کر اور پست آواز میں کچھ جواب دیتے تھے۔ اس مکالمہ کا احساس حضرت کو ہوا تو ان طلبہ سے فرمایا کہ بھائی یہ ظاہر ہے اگر یہ (مولوی احمد حسن) عاجز ہوئے تو میں انکی مدد کروں گا اور اگر تم عاجز ہوئے تو تمہارے استاد تمہاری مدد کریں گے۔ پھر یہ کیوں

دو کہ تم اپنے اُستاد کو لے آؤ۔ اور میری اُن سے گفتگو ہو جائے۔ بہر حال زیادہ زور ہوا اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرما لیا، شب کو جلسہ وعظ کا ہجوم بھرا ہوا تھا شہر کے اُمراء، رؤساء، علماء، عمائد شہر، طلباء غرضکہ ہر طبقہ کے لوگ بھرے تھے اور لوگوں کا ایک میلا سا لگ گیا۔ حضرت مولانا نے تقریر فرمائی بس سمجھو شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی، ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آگیا تھا۔ اور اس آیت کا وعظ فرمایا اذا وقعت الواقعة لیس لوقعتہا کاذبہ اور اس آیت کے تحت میں فلسفہ کے اُن تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا رد فرمایا۔ اور اسی آیت سے جزو لا یتجزیٰ کا اثبات، قیامت کا ثبوت حدوث عالم وغیرہ امور مبرہن ثابت فرمائے اور ایک غیر معمولی جلال اور خوشی کی شان سے بیان فرمایا۔ یہ جوش کی شان اس وقت سے پیدا ہوئی تھی جبکہ اُن طلبہ نے مولوی احمد حسن صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ مولانا مملوک علی صاحب نے اقلیدس کا ایک تمرین کیا تھا جس پر مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی نے کچھ اعتراض کیے تھے اُن سب کا جواب بھی اسی تقریر میں ارشاد فرمایا۔ حضرت نے جوش میں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں، مگر ہرگز یہ توقع لیکر نہ آئیں کہ وہ تو ہم سے علم میں بڑھ جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔ غرضکہ مسائل منطقیہ و فلاسفہ کا نہایت زبردست رد اس وعظ میں فرمایا۔ شہر کے تمام مشاہیر علماء سوائے مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے اس وعظ میں موجود تھے۔ مگر بولنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔

اس کے بعد نواب کلب علی خاں نے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر عثمان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت کو میں مشتاق ہوں مجھ سے مل لیں۔ حضرت نے اول تو اعذار شروع کیے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے ناواقف۔ لیکن وزیر نے اپنی نہایت شستہ اور سہل تقریر میں عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے، حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ رہیں گے۔ تب آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں۔ اگر کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں۔ انکے پیروں میں تو مہندی نہیں لگی ہے۔ بہر حال نہ جانا تھا، نہ گئے۔ اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہا۔ نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری ساری عمر اسی تمنا میں رہے کہ کسی طرح مل لوں، مگر حضرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ اگر حضرت کے علیگڈھ آنے کی خبر سُن کر وہ علیگڈھ آئے تو مولانا جھٹ خورجہ تشریف لے گئے۔ جو خورجہ گئے تو حضرت میرٹھ آگئے۔ اسی طرح بغیر نواب صاحب کی درخواست منظور ہوئے وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

حکایت (٢٦٥) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حافظ نور الحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں حجرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لیے دیوبند آئے۔ مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رُخ دوسری طرف

پھیر لیا، گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے۔ وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اُنکے ہاتھ میں رُومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب انہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ گذر گیا تو حضرت مولانا نے ان کیطرف رُخ کر کے فرمایا کہ آپ شیخ صاحب ہیں۔ مزاج اچھا ہے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چومے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں میں ڈالدیا۔ حضرت نے اُسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر منت قبول فرمالینے کی درخواست کی، آخر بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا۔ حضرت جب اُٹھے تو نہایت استغناء کے ساتھ جوتے جھاڑے اور سب روپیہ زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لیے اور حافظ انوار الحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہل دنیا بھی دنیا کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیادار اُس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے۔ اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔[1]

حکایت (۲۶۶) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین صاحب مرحوم دیوبندی نے فرمایا کہ قاضی پور میں جب حضرت نانوتوی تشریف لیگئے ہیں اور عشرۂ محرم تھا اور روافض نے حضرت مولانا کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی۔ حضرت نے فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ

۱؎ امراء کے ساتھ معاملہ کی ایک شان یہ ہے ایک دوسری شان بھی ہے جو بعض اوقات بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ دلجوئی کیلئے اُن سے لے لیتے ہیں اور اُن پر لطف فرماتے ہیں۔ جو مصلحت جس وقت غالب ہو اس وقت اسی پر عمل کرنا مستحسن ہے کسی پر ملامت نہیں اور دوسرے واقعہ میں تو دونوں شانیں جمع فرما دیں۔ (اشرف علی)

مجلس میں کہ سُن سکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں گے۔ وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور دین کچھ مذہبی گفتگو کرتے ہوئے ان سب روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیں اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمادیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہلسنت والجماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ تم اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کیلئے تیار ہوں۔[1] مگر یہ روافض کچھ کچے ہوگئے۔

حکایت (۲۶۷) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا کچھ مجمع تھا۔ کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ عرض کیا گیا کیا حادثہ پیش آیا۔ فرمایا آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اسلیے میں بچ گیا۔ نماز کے بعد جب میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ انکی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہوجائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت و قوت کا کیا حال ہوگا جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کسطرح ان علوم کا تحمل کیے ہوئے ہوگا۔

حکایت (۲۶۸) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی

۱؎ یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہوگی یا لو اقسم علی اللہ لابرہ پر اعتماد ہوگا و بحمد اللہ صحبت تنفعت الحواشی المقلب بسقایات الصیب المزیلة الغواشی المتعلقة بروایات الطیب۔ (اشرف علی)

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہیر امت میں تین قسم کے افراد گذرے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول و عرض میں چلتا ہے۔ جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلے میں پھیلے زیادہ ہیں اور ترتیب و تفصیل و تہذیب مواد میں زیادہ مستعد ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جنکا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے۔ جیسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہ حقائق میں اسقدر بلند پرواز ہیں کہ اصحاب ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن عمق کیطرف زیادہ دوڑتا ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں کہ سینکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۲۶۹) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب کچھ تصنیف فرماتے تو ایک جزو لکھ کر نقل کیلئے دیدیتے تھے۔ اور آپ کے مضمون کے ناقل دو ہوتے تھے۔ ایک بتلاتا اور دوسرا لکھتا۔ وہ جزو نقل ہونے نہ پاتا تھا کہ حضرت دوسرا جزو تصنیف فرما دیتے تھے۔

حکایت (۲۷۰) فرمایا کہ امیر شاہ خاں صاحب کہتے تھے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے خدام تو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضوں کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خدام آپکے عاشق تھے ؎

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است ٭ بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

حکایت (۲۷۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس آپکے خادم مولوی فاضل حاضر تھے۔ مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کیواسطے فرمایا کیونکہ

مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوتی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے۔ انہوں نے تقسیم کر دی۔ آخر میں اتفاق سے اسمیں تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی۔ تو آپ نے فرمایا الفاضل للقاسم (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی تقسیم کنندہ کی) انہوں نے جواب دیا۔ الفاضل للفاضل والقاسم محروم (یعنی فاضل مٹھائی تو مسمیٰ فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں یا یہ کہ بچی ہوئی صاحب فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے) اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں۔

حکایت (۲۷۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح میں سنا دیا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کرایا تھا۔ تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا سے آدھے تھے (اس) لئے کرامت بھی آدھی ہوگئی۔

حکایت (۲۷۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ تین کتابیں العجیب ہیں۔ ایک کلام اللہ۔ ایک بخاری شریف۔ ایک مثنوی شریف۔ قرآن کا کسی سے احاطہ نہیں ہو سکا۔ بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی کہیں جلی۔ سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہیں ہوا۔ ایسے ہی قرآن شریف کا اور مثنوی شریف کا بھی۔

حکایت (۲۷۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ نبو پہلوان نے جو دیوبند کا رہنے والا تھا باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی

خوش ہوا، اور فرمایا کہ ہم بھی نبوکر اور اس کے کرتب دیکھیں گے۔ حافظ انوار الحق کی بیٹھک میں اُسے بلایا اور سب کرتب بھی دیکھے۔ مولانا بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے۔ اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے جو اُس وقت بالکل بچے تھے، بڑی ہنسی کیا کرتے تھے۔ کبھی ٹوپی اُتارتے، کبھی کمربند کھول دیتے تھے۔

حکایت (۲۷۵) فرمایا سیوہارہ میں ایک جماعت ہیں جن میں مسئلہ مولد میں نزاع ہو رہا تھا، مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ اُسوقت وہاں تشریف رکھتے تھے مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا بُرا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ حکایت مولوی محمد یحییٰ سیوہارویؒ سے سُنی ہے۔

حکایت (۲۷۶) فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ نواب کلب علیخاں مرحوم نے مولانا کو اپنے پاس بُلانا چاہا تو مولانا نے یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں، آداب شاہی سے واقف نہیں۔ اسپر نواب صاحب کا جواب آیا کہ آپ کو آداب سب معاف ہیں۔ آپ ضرور کرم فرمائیں، ہم لوگوں کو سخت اشتیاق ہے۔ اسپر مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے اشتیاق تو آپ کو ہو اور ملنے میں آؤں۔ غرضکہ تشریف نہیں لے گئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

حکایت (۲۷۷) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ کے یہاں ایک بدعتی درویش مگر صاحب حال مہمان ہوئے تو آپ نے اسکا بڑا اکرام کیا، اس کی خبر ایک شخص نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ تو مولانا نے فرمایا

کہ بڑا کیا۔ اُس شخص نے یہ مقولہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر کہا تو مولانا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کفار مہمانوں کا اکرام کیا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو پھر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر نقل کیا تو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے۔ اُس نے پھر اس جواب کو مولانا نانوتوی سے جا کر کہا۔ تو مولانا نانوتوی نے اس کو ڈانٹ دیا کہ یہ کیا واہیات ہے، اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر لگاتے پھرتے ہو جاؤ بیٹھو اپنا کام کرو۔

حکایت (۲۷۸) مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے ہیں۔ تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگین سامنے رکھے۔ اور یہ کہا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں اس میں ایک نگین بہت خوشنما اور کلاں ہے۔ اسکو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ ایسے ہی مولانا نے ایک خواب ایام طالب علمی میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اس خواب کی مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۷۹) ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ اُمیدیں تھیں، کچھ کماتا تو افلاس دور ہو جاتا۔ تم نے اُسے خدا جانے کیا کر دیا۔ نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اُس

وقت تو بنکر چپ ہو رہے۔ پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ بڑے بڑے اسکی خادمی کرینگے۔ اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسکا نام ہر طرف پکارا جائیگا۔ اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا دے گا کہ ان سو سو پچاس پچاس روپیہ کے نوکروں سے اچھا رہیگا۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۰) ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایام روپوشی میں دیوبند تھے۔ زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں۔ زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں جاتا ہوں۔ عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔ بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پہنچے تو دو ڑ سرکاری آدمیوں کی پہنچ گئی۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۱) مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان ملوا میں جوچیلوں کے کوچہ میں تھا جا رہا تھا۔ مولوی صاحب (یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ) بھی میرے پاس آرہے تھے۔ کوٹھے پر ایک چھپّر پڑا ہوا تھا۔ اسپر پڑے رہتے تھے۔ روٹی کبھی پکوالیتے تھے اور کبھی کئی وقت تک اُسے ہی کھالیتے تھے۔ میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دیدیا کرو۔ مگر بدقت کبھی اُنکے اصرار پر لے لیتے تھے۔ ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۲) مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا (اسکے بعد مولانا محمد یعقوبؒ تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کتنے

تھے، کیا ان میں سے ظاہر ہوئے آخر سب کو خاک ہی میں ملا دیا۔ اپنا کہنا کر دکھایا۔ (انتہی بقول مولانا محمد یعقوبؒ)

حکایت (۲۸۳) مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسکو اُٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا۔ تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپنے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپنے فرمایا۔ اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جسقدر جس سے ہوسکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اُسوقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہوگیا۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۴) ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی۔ جانتے بھی ہو کیوں تھی، ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

عرض کیا۔ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا۔ اتنا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی، کہ جلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کرلی۔ مولانا قاسم صاحب نے یہ بات محسوس کرلی۔ پھر جو کوئی دعوت کیلئے آتا تو پہلے یہ شرط کرتے کہ اسکی (یعنی مولانا احمد حسن صاحب کی) بھی دعوت کرو تو منظور ہے۔ یہاں تک کہ جب بالکل میرے قلب کے اندر سے ناگواری نکل گئی تو مولانا نے میری دعوت کی شرط کو ترک کردیا۔

حکایت (۲۹۱) نیز مولانا امروہی نے فرمایا چونکہ میں بہت خوش لباس تھا تو مولانا کے یہاں ایک بار ایک شخص گاڑھے کا تھان لایا جو نہایت عمدہ تھا۔ مولانا نے قبول فرمالیا اور درزی کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں سے ایک انگرکھا ہمارے لیے سی دو اور ایک (میری طرف اشارہ کرکے) ان کیلئے سی دو۔ اسکے بعد جب وہ تیار ہوکر آیا تو میں نے اسکو صندوق میں رکھ لیا۔ اب مولانا روز دریافت فرماتے کہ بھائی تم نے اسکو پہنا نہیں۔ آخر کار جب میں سمجھ گیا کہ مولانا نہیں مانیں گے تو مجبوراً میں نے اسکو پہنا۔

حکایت (۲۹۲) مولانا احمد حسن صاحب امروہوی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہانپور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب بغیر کسی کے اطلاع کیے ہوئے تنہا بہ نفسِ نفیس شاہجہانپور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود الحسن صاحب نے سُنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لیگئے۔ اسکے بعد میں گیا تو شاہجہانپور میں میری مولانا محمود الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا مل گئے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھ کو تو ابھی نہیں ملے۔

تو میں نے کہا کہ اچھا چلو سرائے میں چلکر تلاش کریں۔ چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنیوالے کا نام لکھا کرتا ہے اُس سے جاکر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص خورشید حسن[1] بھی آئے۔ اُس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو مولانا میدانِ مناظرہ میں تشریف لے چلے۔ راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے۔ تو مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اُتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا۔ خیر مولانا نے پار اُتر کر لنگی باندھی۔ اور پاجامہ اُتار کر نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا اور تشریف لے چلے۔ خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھاکر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے۔ اور جو پادری کہ وہاں پر مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا ہو تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لے آتا۔ جب مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے تو اسوقت چونکہ شہر کے لوگوں کو اطلاع ہوچکی تھی اسلیے بہت لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ ملازم ہیں نوکر ہیں اس مجبوری سے ہم جناب کی تقریر کے سُننے سے محروم رہے۔ اسلیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اس سے مشرف فرمایا جاوے۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے (یعنی مولانا احمد حسن امروہی سے) فرمایا کہ مولوی احمد حسن تم سُنادو۔ اب میں بہت حیران تھا اسلیے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سُنی بھی نہ تھی۔ مگر مولانا کا حکم۔ اسلیے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے کہا کہ صاحبو! مولانا کی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی۔ جو بات سمجھی ہوئی کہوں اسکو مولانا کا مضمون سمجھا

[1] یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا۔ ۱۲ منہ

جائے اور جو اُلجھی ہوئی ہو اسکو میری طرف سمجھا جائے۔ اسکے بعد میں نے تقریر بیان کی۔ مگر پھر مجھ کو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من وعن وہی تقریر تھی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمائی تھی۔

حکایت (۲۹۳) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو نواب زادے ریاست حیدرآباد کے آئے ہوئے تھے۔ تو مولانا قاسم صاحب کبھی کبھی اُن سے اپنے پیر دبوایا کرتے تھے۔ ایکبار فرمایا کہ مجھ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اُن سے پیر دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

قطب ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کی حکایات

حکایت (۲۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں حاضر تھا اور جناب مولوی **اشرف علی صاحب** بھی اس زمانہ میں گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا۔ مگر مجھے اسکا علم نہ ہوا تھا اس لیے میں اسمیں شریک نہ ہوا تھا۔ اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھا رہا اور آپ (یعنی خانصاحب) بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ اسپر حضرت قدس سرہٗ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ ایک عالم ربانی وعظ کہہ رہا ہے اسکے وعظ میں جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے۔

حکایت (۲۹۵) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی

ل اداے حق محبت عنایتے است ز دوست ؎ وگرنہ عاشق مسکین بہیچ خورسند است۔

قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا اور جناب مولانا اشرف علی صاحب بھی گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے کچھ پوچھتے ہوئے حضرت کیساتھ حجرہ تک تشریف لیگئے۔ اور سہ دری پہ پہنچکر دونوں حضرات کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو ہوتی رہی۔ مولوی اشرف علی صاحب اس روز رخصت ہونیوالے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا سے اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے مولود وغیرہ کے باب میں مکاتبت ہوئی تھی[ل] اور مجھے حضرت مولانا سے اُن کے مسلک سابق کیوجہ سے عقیدت نہ تھی۔ جبکہ میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا حضرت مولانا کیساتھ اس خصوصیت کا برتاؤ دیکھا تو میں نے حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ کیا مولوی اشرف علی صاحب اچھے ہوگئے تو آپنے فرمایا کہ ہاں اچھے ہوگئے۔ میں نے پھر پوچھا کہ کیا بالکل اچھے ہوگئے۔ آپنے تیز لہجہ میں فرمایا کہ بالکل اچھے ہوگئے۔

حکایت (۲۹۶) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ دیوبند سے واپسی میں سہارنپور سے رامپور تشریف لیجارہے تھے (اور غالباً یہ وہ واقعہ تھا جس کے بعد حضرت پھر دیوبند نہیں تشریف لیجاسکے) اگلی گاڑی میں حضرت مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب تھے اور پچھلی گاڑی میں میں اور مولوی مسعود احمد صاحب۔ حضرت نے گاڑی کے پیچھے کا پردہ اُٹھا کر مجھ سے باتیں کرنی چاہیں۔ مگر چونکہ گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بات چیت مشکل تھی اسلیے میں اپنی گاڑی سے

ل یہ مکاتبت وغیرہ تذکرۃ الرشید میں شائع ہوئی ہے اور میں نے اب اسکا نام ضیاء الاہام من علوم بعض الاعلام رکھدیا ہے تاکہ اگر کوئی استقلالاً شائع کرے تو اس عنوان سے پتہ دینے میں سہولت ہو۔ ملخص اس مکاتبت کا یہ ہے کہ احقر خاص اعمال کی ذات پر نظر کر کے بقید خلو عن المنکرات مباح کہتا تھا اور حضرت انکے مفاسد کی بناء پر (جو عادۃً لازم ہوگئے ہیں) باوجود خلو عن المنکرات کے بوجہ افضائی المفاسد کے منع فرماتے تھے اور اصول فقہیہ سے انکی ترجیح ثابت ہے۔ پیچھے احقر نے اپنے دعوی سے رجوع کر لیا۔ رسالہ یادیاداں میں اس کی تقریر قدرے مفصل ہے ۱۲ (اشرف علی)

اتر کر اور حضرت کی گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر ساتھ ساتھ ہولیا۔ حضرت نے فرمایا میاں امیر شاہ خاں ابتداء سے اور اسوقت تک جسقدر ضرر دین کو صوفیہ[1] سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقے سے نہیں پہنچا۔ ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا اور عقاید کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی۔ اسکے بعد اسکی قدرے تفصیل فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا جس کی ایک تعبیر[2] یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب وغیرہ کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں۔ یہ انتہا ہے اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ قوت تفیض نبوی صحابہ میں بھی تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم۔ اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہوگئی۔ اور اس کمی کی تلافی کے لیے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے۔ مگر جوں جوں خیر القرون کو بعد ہوتا گیا انمیں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بہت بدعات علمی و عملی و اعتقادی داخل ہوگئیں۔ محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہوگئی، لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصلحین میں

---

[1] مراد وہ لوگ ہیں جو صرف صوفی ہیں اور علوم دینیہ سے حقیقتاً یا تقلیداً اور اتباع محققین سے عاطل ہیں ایسے صوفیہ [illegible] سے تو بہت نقص دین کو پہنچا ہے۔ چنانچہ قریب ہی آئندہ سطور میں ان کی شان اصلاح اسی حکایت میں مذکور ہے۔

[2] روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء وان یجامعوا نساءهم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک ودای قوله تعالیٰ الا انهم یثنون صدورهم الآیه) فیہم

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد صاحب قدست اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریق سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہی طریق منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریق سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اسمیں رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات تو یہ ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز باجماعت وغیرہ۔ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرائض و واجبات و سنن مؤکدہ کا پورا اہتمام کرے، تو نہ خود اسکو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہوگیا اور نہ دوسرے اُسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان اُمور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ اوابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بزرگ ہوگیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہوگیا۔ اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ[1] نے بجائے اس کے استغراق کو مقصود بنالیا۔

حکایت (۲۹۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ، احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے، ذرا اسکی تصنیف مجھے بھی تو سنا دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہوسکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت انہیں

---

[1] وہی صوفیہ غیر محققین مراد ہیں۔

تو گالیاں ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑھی (یعنی بالجہر)
گالیاں ہوں تم سناؤ، آخر ان کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی معلوم
ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔

حکایت (۲۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے آخری حج ۱۲۹۹ھ
میں کیا ہے اور حج کو تشریف لیجاتے ہوئے مولانا نے دہلی میں احمد پائی کی سرائے
میں قیام فرمایا تھا اور اوپر بالاخانہ میں مقیم تھے۔ آپ کے پاس بہت سے لوگ
جمع تھے جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی بھی تھے۔ اس بالاخانہ میں
غربی جانب کوئی کوٹھڑی تھی جس میں میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا تھا، مولوی اسمٰعیل صاحب
نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ میں اب رخصت ہوتا ہوں مگر مجھے تنہائی میں کچھ عرض
کرنا ہے۔ مولانا ان کو ساتھ لیکر اس کوٹھڑی میں تشریف لے آئے جس میں میں موجود
تھا، اور فرمایا کہ فرمایئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تنہائی میں عرض کرنا
ہے اور یہاں یہ شخص (امیر شاہ) موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ انکا خیال نہ
کیجئے اور فرمایئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں بیعت تو ہوں مولوی محمد یعقوب صاحب
دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی ہے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے، ان حضرات
کی تعلیم نقشبندی تھی اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے
پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتداء سے اتباع سنت کا شوق تھا اور
جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے
وقت یہ اور بازار میں جاتے وقت یہ الیٰ غیر ذالک میں ان کا بہت اہتمام کرتا

۱؎ اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و
متغیر نہ ہوں، وھو کقول علیؓ لا امحوا ابدا ۱۲ (اشرف علی)

دیا، مجھ کو اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن
میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت
ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرما دیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو
اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں، انہوں نے
فرمایا کہ حاصل ہے، حضرت نے فرمایا پس آپکو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں، کیونکہ مرتبہ
احسان حاصل ہو جانیکے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے کوئی گلستاں و
بوستاں وغیرہ پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض
تضییع اوقات ہے۔ اسلیئے آپ کیلئے اشغال مشائخ میں اشتغال تضییع اوقات
اور معصیت ہے۔

حکایت (۲۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے جو ۱۲۹۹ھ
میں حج کیا ہے اسمیں آپ کے ہمراہ یہ اشخاص تھے۔ امیر شاہ (یعنی خانصاحب)
حافظ عطاء اللہ مرحوم، حاجی محمد یعقوب دہلوی، گھڑی ساز محمد عاشق، مولوی مسعود
صاحب کے پہلے خسر (جنکا نام مجھے یاد نہیں) منشی تجمل حسین صاحب انبہٹوی
(حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے) ہم سب لوگ، ذیقعدہ کی کسی تاریخ میں بمبئی پہنچ
گئے تھے، لیکن جس جہاز کے ارادہ سے چلے تھے وہ جہاز ہم سے ایک روز پہلے چلا
گیا تھا دوسرا جہاز ریڈسی کھڑا تھا۔ مگر اس کے روانہ ہونے میں دیر تھی اسلیئے ہمکو بمبئی
میں گیارہ روز اور ٹھہرنا پڑا اور ہم ۲۰ تاریخ کو جہاز ریڈسی میں سوار ہوئے۔

۱؎ یہ تحقیق اہل طریق کو حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ بخصوص ان کو جو ذرائع کو مقاصد سمجھ بیٹھے ہیں اور
خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق تو اس شخص پر
حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جن کو طریقت کی
حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ (اشرف علی)

ہمارے سوار ہونے کے بعد بھی وہ جہاز کھڑا ہی رہا۔ نہ بیس کو چلا نہ اکیس کو نہ بائیس
کو۔ اب لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اب حج نہیں مل سکتا کیونکہ دن تھوڑے باقی ہیں
اور اتنا لمبا راستہ قطع کرنا ہے اور اس کیساتھ گیارہ شب کا قرنطینہ بھی کرنا ہے۔ اور
یہ خیال کر کے لوگوں نے جہاز سے اُترنا شروع کر دیا۔ جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ
اُترنے لگے ہیں تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ عزمِ حج فسخ نہ
کریں ہمیں ضرور حج ملیگا۔ کیونکہ میں اپنے کو عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں
دیکھ چکا ہوں۔ ہم نے اطلاع کر دی۔ اسپر کچھ لوگ تو رک گئے اور کچھ پھر بھی اُتر گئے۔ حافظ
..... بھی اس جہاز میں تھے اور انہوں نے بھی جہاز سے اُترنیکا ارادہ کیا تھا۔ مولانا
کو چونکہ اُن سے حسنِ ظن تھا اسلیئے مولانا نے حافظ عطاء اللہ سے اور مجھ سے فرمایا
کہ حافظ..... کو سمجھاؤ کہ وہ ارادہ فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملیگا۔ ہم نے انہیں
سمجھایا۔ اسپر وہ خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے اپنی عادت کیخلاف
خود ان کو سمجھایا اور انہوں نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اُتروں گا مگر باوجود اس کے
بھی وہ اُتر گئے۔ مولانا کو جب اُن کا اُترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپ
نے فرمایا کہ ناحق اُتر گئے، بس جی ان کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ اسکے بعد حافظ....
ہر سال حج کا ارادہ کرتے تھے مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا تھا۔ اور تا انتقال
ان کو حج میسر نہیں ہوا۔ ایک دفعہ تو یہاں تک ہوا کہ تیاری بھی پوری ہو گئی، یکہ
بھی گھر پر آگیا اور وہ سوار ہونے ہی کو تھے کہ یکایک ان کو خیال ہوا کہ ذرا دیر
لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہونگے۔ اور وہ لیٹ گئے۔ لیٹنے میں اُن کی کمر میں انتہا
زور سے چنکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل نہ رہے۔ اب انہوں نے چنکا نکل جانے

تک سفر کو ملتوی کر دیا اور اسکے بعد ارادہ ہی فسخ کر دیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ...
ہر سال ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا۔ تو میں نے ایک جلسہ میں
مولانا سے عرض کیا کہ حضرت حافظ..... ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج
نصیب نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا تھا کہ انکی قسمت ہی میں حج نہیں ہے،
آپ اُن کے لیے دعا فرما دیجئے کہ ان کو حج مل جائے۔ جس جلسہ میں میں نے عرض کیا
تھا اس میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب، حافظ احمد صاحب، مولوی خلیل احمد صاحب،
مولانا محمود حسن صاحب، حافظ عطاء اللہ، نواب یوسف علیخاں وغیرہ موجود تھے۔
مگر مولانا نے دعا نہیں[لہ] فرمائی اور فرمایا کہ یہ تمہارا خیال ہے۔ مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔
میں نے پھر عرض کیا مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ یہ قصہ تو ختم ہوا۔
اب جہاز کی سنیئے۔ الغرض اللہ اللہ کر کے ہمارا جہاز ۲۳ ر کی عصر کو روانہ ہوا جب
عدن سے آگے پہنچا تو اس میں جسقدر ولائتی تھے سب تبر لیکر جہاز والوں پر چڑھ
گئے اور کہا کہ اگر تم نے جہاز کا رُخ کامران کیطرف پھیرا تو ہم تم کو مار ڈالینگے، سیدھا
جدہ لے چلو۔ جہاز والے ڈر گئے اور مجبوراً ان کو جہاز جدہ لیجانا پڑا۔ جب جہاز جدہ
پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ مسافروں کو اُترنے کی اجازت نہ ہوگی، اور جہاز کو قرنطینہ
کے لیے کامران واپس کیا جاوے گا۔ اس خبر سے حاجیوں کو سخت پریشانی ہوئی، کہ
الحمدللہ کر کے تو ہم نے قرنطینہ کی قید سے نجات پائی تھی اب پھر وہیں جانا ہوگا تھوڑی
دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کہا گودی کے افسر رشوت
خوار ہیں اور وہ لینے کیلئے یہ حجت کر رہے ہیں۔ تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں

لہ یہ دعا مستحب تھی۔ اس کے ترک کے لیے عدم استجابت کا مکشوف ہو جانا کافی ہے۔ خصوص جب
یہ بھی مکشوف ہو جاوے کہ جس کے لیے دعا کی درخواست ہے وہ اس عمل کا ارادہ ہی نہ کرے گا۔
(اشرف علی)

دعا کر راضی کروں گا۔ جب یہ خبر مولانا تک پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے۔ ہم کو کامران واپس نہیں ہونا پڑے گا اور ہم یہیں اُتریں گے، لیکن آج نہیں اتریں گے کل اُتریں گے۔ چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہوگیا کہ حاجیوں کو اتر جانا چاہیے اُن کا کوئی قصور نہیں، قصور جہاز والوں کا ہے۔ اسلیے اسکی سزا میں جہاز کو دوبارہ قرنطینہ کرنا ہوگا۔ اسپر حاجی اتر گئے اور ہم ۸ تاریخ کو مکہ پہنچ گئے۔ حاجی صاحب ہمکو شہر کے باہر کھڑے ہوئے ملے۔ سُنا ہے کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب اس جہاز میں نہ ہوتے تو کسی کو حج نہ ملتا۔ مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے سُنا ہے۔

حکایت (۳۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے ایک شخص تھے جو ہاتھرس میں مطب کرتے تھے۔ نہایت صالح اور متبع سنت تھے۔ کسی نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے۔ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ میں نے ایک مرتبہ اُن کو کچھ دُبلا پایا تو اُن سے حالت دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چند روز سے سخت تکلیف میں ہوں۔ میرے اوپر بجلی گرتی ہے کبھی رات کو کبھی دن کو اور میں مرجاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرتا ہوں اور اسکے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں۔ یہ بجلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہوجاتا ہوں۔ اُن کے پیر کا انتقال ہوچکا تھا اسلیے انہوں نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کو لکھو۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم لکھ دو۔ میں نے کہا کہ آپ لکھ کر مجھے دیدیں۔ میں اپنے عریضہ کے ہمراہ اُسے روانہ کردوں گا۔ انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی۔ میں نے اُسے مولانا کی خدمت میں روانہ

کردیا۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں آنے کی نہیں ہیں، ان کو میرے پاس بھیجدو۔ اسپر وہ گئے اور جاتے ہی بلا کچھ کہے سُنے اچھے ہوگئے۔[۱]

حکایت (۳۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی اور اس پر لوگوں میں شورش ہورہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو میں نے جواب دیدیا ہے اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے۔ اسکے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہونگے تو انشاء اللہ حق میری جانب ہوگا۔[۲]

حکایت (۳۰۲) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ حدیث پڑھنے کے عرصہ تک شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی سے ہوتا تھا۔ مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امدادؒ ہی سے کرینگے۔[۳]

حکایت (۳۰۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ

---

[۱] اگر یہ تصرف تھا تو اس کے اخفا کے لیے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیسا کہ اس سے قبل کی حکایت میں اخفا ایک مذاق ہے۔ منشا اخفا کا بعد ہے ریا سے اور منشا رعدم اخفا کا بعد ہے دوسرے ریا سے یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہو کہ اس میں ریا ہوگی ہے ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ۱۲

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے۔ مولانا سے عقیدت رکھ کر کوئی اس کے خلاف کا قائل ہو وہ اس سے عجوب ہے ۱۲ (حضرت مولانا ...)

[۳] اگلے صفحہ نمبر ۲۶۵ پر یہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ←

نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے۔ جوتی تک لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔[1]

حکایت (۳۰۴) حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب و عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کیساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لیکر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشقِ صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔[2]

یہ حکایت صفحہ ۲۶۳ کا ۔ ہے مدار اس کشش کا مناسبت ہے۔ اس کو تفاضل میں کچھ دخل نہیں۔ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف۔ اور اسی باب میں کہا گیا ہے ؎ ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے ✽ چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے اور ایسی ترجیحات کو تفاضل پر مبنی کرنا یا اس سے تفاضل پر استدلال کرنا رجم بالغیب ہے۔ (اشرف علی)

[1] افسوس ایسی جماعت کو معاندین بے ادب کہتے ہیں۔ بلکہ اگر اس پر افراطِ فی الادب ہونے کا شبہ کیا جاتا تو گنجائش تھی جس کا جواب ہم غلبۂ حال سے دیتے اور ایسا غلبہ اخیر میں اعتدال سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

[2] اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہلِ تصنع ایسا کر سکتے ہیں ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے۔ اور مولانا گنگوہی کا یہ کمال تھا کہ رنگِ فنا جلوت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ جلوت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا ؏ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حکایت (۳۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مجھے محمود (حضرت کے صاحبزادے) مرحوم کا صدمہ ضرور ہے مگر مولانا کی وفات کے صدمہ کا کوئی صدمہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس واقعہ کو حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے یوں بیان فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو میں مولانا کے صدمہ کا تحمل نہ کر سکتا اور مر جاتا۔ اس پر مولوی محمد حسن صاحب مرادآبادی نے جرأت کر کے عرض کیا حضرت وہ بات کیا۔ فرمایا "میاں وہی"۔ انہوں نے پھر ذرا جرأت کر کے عرض کیا کہ حضرت وہی اور وہ بات کا آخر مطلب کیا ہے۔ فرمایا کہ میاں وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو۔[1]

حکایت (۳۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا فرمائیے۔ تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا کہ اور کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔

حکایت (۳۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] اور میں نے بجائے اس عبارت کے کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو کسی راوی سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ مراد نسبت باطنیہ ہے کہ اس سے ایسی مقاومت کی قوت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حزنِ طبعی منافیِ کمال باطنی کے نہیں مگر ناقص کی طبیعت غالب ہو جاتی ہے اور کامل کی عقل اور دین۔ [2] اگلے صفحہ نمبر ۲۶۶ پر دیکھئے ←

حکایت (۳۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی۔ حضرت اسوقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے اندازے کتاب یکدم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔

حکایت (۳۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب لطف علی خاں رئیس چھتاری

حق تعالیٰ کا وعدہ ... اس حکایت کے آغاز میں بلا استفسار فرمانا کہ ... امتحان یا اشتیاق ... مخاطب کے لیے ہوا کیونکہ ایسے امور کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے ؎

بر سماع راست ہر تن چیر نیست ؎ طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

اور حضرت کا بار بار اس سوال کو تکرار نہ کرنا شاید اسلیے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور یکبار سوال کرنا اسلیے کہ طلب کے بعد حصول حق تعالیٰ فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر توجہ کی قوت سے اور کبھی بطور خرق عادت کے روح کا شکل بشکل جسد ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لازم دوام کیساتھ حاضر و ناظر ہونے کے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں۔ اور اسکے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اور اسکے بعد اصرار پر جواب میں مرتبہ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اسی مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اسوقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہل ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بعد اصرار کے فرمانے میں حالانکہ اسکی تعلیم ہے کہ یہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال ہیں و شتان ما بینہما اور اگر یہ اسکی تفسیر نہیں تو اسکا اخفاء فرمانا شاید افہام عامہ کے متحمل نہ ہونے سے شاید تجلیات ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اسکی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسے صوفیہ کے ایسے امور میں اہل ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں۔ ۵ وہی مقام عقل اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے ورنہ جزم کیساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو۔ اور غلط سے مراد بے اصل ہے خطائے اجتہادی کی نفی مراد نہیں۔ (اشرف علی)

بیمار ہوئے اور مجھے مع ایک ہمراہی کے دعا کرانے کیلئے پہلے دیوبند بھیجا کہ حاجی عابد حسینؒ سے دعائے صحت کراؤ اور پھر گنگوہ پہنچ کر حضرت سے دعائے صحت کراؤ۔ میں دیوبند سے دعا کرا کر گنگوہ پہنچا۔ حضرت مجمع میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دعا کے لیے عرض کیا۔ اسپر حضرت نے ایک حکایت سنانی شروع فرمائی کہ ایک رئیس کو باجا سننے کا شوق تھا۔ ہر قسم کے باجہ بجانے والے آتے تھے۔ ایکدن جبکہ ہر قسم کے مختلف باجے بجائے جا رہے تھے، ایک صاحب اپنی لاٹھی منہ میں لیکر ہو ہو کرنے لگے۔ رئیس نے تمام باجے رکوا کر کہا کہ اب بجاؤ۔ تو انہوں نے کہا حضور میرا باجا تو رگڈے ہی میں بجا کرتا ہے۔ یہ حکایت سنا کر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں کہیں کے[1] رگڈے میں یہاں بھی آ نکلتے ہیں میرے پاس کیا رکھا ہے۔ پھر دوسرے وقت خلوت میں مولوی حبیب الرحمن صاحب سے فرمایا کہ مجھے تو انکی صحت کیطرف سے مایوسی[2] ہے۔ کیا کروں میرے دل میں تو ان کی صحت آتی نہیں۔ میں (خانصاحب) واپس ہو گیا۔ یہاں تک کہ شعبان آ گیا اور مدارس کی تعطیل ہو گئی۔ نواب یوسف علیخاں صاحب نے مجھے پھر دوبارہ یہ کہہ کر روانہ کیا کہ دیوبند سے مولوی حافظ احمد صاحب کو ساتھ لو اور گنگوہ پہنچ کر مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمن صاحب کو ساتھ لو اور تم چاروں ملکر حضرت سے نہایت التجا کر کے یہ عرض کرو کہ حضرت ابتو لطف علی خاں کیلئے ویسی ہی دعا کر دیجئے جیسی مکہ مکرمہ میں یوسف علیخاں کیلئے کی تھی۔ چنانچہ میں دیوبند سے مولوی احمد صاحب کو لیکر گنگوہ پہنچا اور تخلیہ میں مولوی مسعود احمد صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا اور خلوت کے منتظر رہے لیکن خلوت کا موقعہ نہ ملا۔ ملا

---

[1] یہ دوسری جگہ جانے پر نکیر نہیں بلکہ دعویٰ اخلاص پر نکیر ہے ۔ [2] دعا سے انکار نہیں بلکہ الحاح فی الدعاء سے ایک مانع طبعی کا بیان ہے ۔ (اشرف علی)

صوفیہ کے سپرد کردے۔ اور جسکو دونوں سے کھونا ہو اُسکو شاعروں کے سپرد کردے۔ اسپر میں نے (یعنی حضرت مرشدی حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہ العالی) عرض کیا کہ حضرت جسکو دونوں کا بنانا ہو۔ تو فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ (قال العارف الرومی) ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ✽ ایں خیال است و محال است و جنوں (جامی)

حکایت (۳۱۱) فرمایا کہ مولانا صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کسی گرو کے پاس گیا۔ گرو نے پوچھا کیسے آئے ہو۔ کہا چیلہ بننے آیا ہوں۔ گرو نے کہا کہ چیلہ بننا بہت مشکل ہے۔ اس نے کہا تو گرو ہی بنا دو۔

حکایت (۳۱۲) فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر بکثرت ہوتا تو فرماتے، کہ جب تم آجاتے ہو تو قلب زندہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب میں پہنچتا تھا تو اکثر حاجی صاحبؒ کا تذکرہ آجاتا تھا اور حضرت جانتے تھے کہ اس (یعنی مرشدی مدظلہم) نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی ہے، یہ حضرت کے حالات سے مسرور ہوگا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا شخص جو امام وقت ہو وہ ایک ایسے تھوڑے لکھے پڑھے بزرگ (یعنی قطب عالم حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ) کا ایسا معتقد ہوجائے۔

حکایت (۳۱۳) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پر استنظام اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لاابالی، کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اسوقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپکے ہمراہ حج کو چلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ زادِ راہ بھی ہے۔ انہوں نے کہا ایسے ہی توکل پر چلیں

گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم مینجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھدینا۔ بڑے آئے توکل کرنے، جاؤ اپنا کام کرو۔ پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تو آپنے اجازت دیدی۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں کو دیدیتے۔ اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دیدیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھیے تو فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔ اسی سفر میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ صبح سے شام تک پھرتے ہی ہو کچھ فکر بھی ہے۔ تو فرمایا کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا فکر ہے۔

حکایت (۳۱۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی ذاکر نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذکر کے وقت نیند آتی ہے۔ فرمایا تکیہ رکھ کر سو جایا کرو ذکر پھر کرلیا کرو۔ نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں۔

حکایت (۳۱۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ میں دیوبند پڑھتا تھا وہاں ایک سیاح ولایتی صاحب آئے وہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی اجازت لیکر منبر پر پہنچ گئے۔ خطبہ شروع کیا۔ چونکہ ربیع الاول کا زمانہ تھا خطبہ کے اندر مولود شریف شروع کردیا اور خطبہ نہایت طویل کر ختم ہونے پر ہی نہ آوے۔ لوگ پریشان ہوگئے۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی اتفاقاً تشریف فرما تھے۔ چونکہ مولانا کو حق تعالیٰ نے ہمیشہ سے اظہارِ حق کی شان دی تھی، ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ مولانا خطبہ ختم کیجئے۔ وہ بولے چُپ رہو خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ (وہ پہچانتا نہ تھا)

مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حرام و حلال کیا ہے پھرتے ہو تم اس قابل ہو کہ منبر سے
تمہارا ہاتھ پکڑ کر اُتار دیا جاوے۔ پھر اس نے یہی جواب دیا، چپ رہو۔ مگر اس
نے جلدی ہی خطبہ ختم کر دیا۔ خطبہ کے بعد لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ
پڑھیں گے، نہ معلوم یہ کون بلا ہے۔ مولانا گنگوہی سے امامت کیلئے عرض کیا مگر مولانا
نماز پڑھانے کھڑے نہ ہوئے (تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اپنی امامت کیلئے
کہا تھا) مولانا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی۔ مولانا گنگوہی نے یہ دانشمندی
کی کہ نماز کے بعد فوراً جوتہ اٹھا کر چلدیے۔ ان ولایتی صاحب نے نماز کے بعد کہا کہ
بلاؤ اس وہابی کو جو خطبہ میں بولتا تھا اور بہت دیر تک بکتا رہا۔ حضرت مولانا محمد
یعقوب نماز پڑھتے رہے، آپ کو غصہ بھی بہت آیا لیکن تحمل کیا۔ ہمارے حضرت
نے فرمایا کہ ہماری جماعت کے حضرات فتنہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا گنگوہی کو
یہ خیال ہوا کہ اگر میں موجود ہوا تو فساد ہو جائیگا کیونکہ لوگ میری حمایت کریں گے
اسلئے دفع الوقتی فرما گئے۔ اور اب یہ حالت ہے کہ فتنہ و فساد کو تلاش کرتے پھرتے
ہیں۔ خطبہ کی طوالت پر فرمایا کہ فقہ کی بات یہ ہے کہ خطبہ کو خفیف کرے اور نماز
کو طویل۔ یعنی بہ نسبت خطبہ کے طویل کرے۔

حکایت (۳۱۶) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اس جگہ (خانقاہ امداد
اشرفیہ) سے بڑی محبت تھی۔ جب بینائی جاتی رہی ہے تو فرماتے تھے کہ اگر آنکھیں
ہوتیں تو اس جگہ کو اب دیکھتا (کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہاں بود و باش رہی
ہے اسوجہ سے حضرت کو بڑا تعلق تھا۔) ؎

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد ٭ باخاک آستانش داریم مرحبائی

حکایت (۳۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی کو اطلاع
دی کہ حضرت یہاں مدرسہ کی تو صورت ہوگئی ہے دعا فرما دیجئے گا۔ مولانا نے تحریر
فرمایا کہ اچھا ہے بجا ہے مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنیوالے جمع ہو جائیں
گے (جامع کہتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت کی خواہش باحسن الوجوہ پوری ہوگئی) ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ٭ مے دہد یزداں مراد متقیں
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حکایت (۳۱۸) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی
بیمار تھیں۔ آپ انکی تیمارداری میں تھے۔ جس طبیب کے یہاں آپ تشریف لے
جاتے تھے وہ بہت نخرے کرتا تھا۔ مولانا کو غصہ آگیا اور طب کی کتابوں کا مطالعہ
شروع کر دیا اور اچھے طبیب ہوگئے۔ جب مولوی مسعود احمد صاحب طب پڑھکر
تشریف لائے ہیں تب آپنے اس کام کو چھوڑ دیا۔ کہ جاؤ اب مسعود آگئے ان سے
رجوع کرو۔

حکایت (۳۱۹) فرمایا کہ ایک ڈپٹی صاحب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے
پاس حاضر ہوئے۔ مولانا معمولی گفتگو کرکے درس میں مشغول ہوگئے۔ ان کو اسپر رنج
ہوا اور دوسروں سے شکایت کی کہ بڑے بڑے اخلاق ہیں (!) اسپر ہمارے حضرت
نے تبسم سے فرمایا کہ الحمد للہ مولانا کی یہ سنت مجھ کو بھی نصیب ہے اور میں بھی اسطرح
بدنام ہوں۔ سُنا ہے کہ سال کے ختم یا شروع پر گورنمنٹ کیطرف سے کچھ خطابات
تقسیم ہوتے ہیں تو مولانا کے لیے بھی شمس العلماء کا خطاب تجویز ہوا تھا۔ اس میں ان
ڈپٹی صاحب سے بھی پوچھا گیا۔ چونکہ یہ حاکم پرگنہ تھے تو انہوں نے مخالفت کی کہ

کرمناسب نہیں ہے۔ اسپر ڈپٹی صاحب نے خوش ہو کر مولانا کے آدمیوں سے فرمایا کہ ہم سے مولانا اچھی طرح نہ ملے ہم نے بھی خطاب نہ ملنے دیا۔ مولانا نے سُنا تو فرمایا کہ بھلائی میں تو انکا بڑا ممنون ہوں کہ مجھے اس بلا سے نجات دی میں تو دعا کرتا ہوں ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جب سُنا ہوگا تو بڑا کڑھا ہوگا کہ یہ کام کیا تو تھا رنج کیلئے مگر ہوگئی خوشی، جیسے سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو خوش ہو کیونکہ شیطان دشمن ہے۔ جب تم وسوسے سے خوش ہوگے اور وہ تمہاری خوشی چاہتا نہیں' وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔

حکایت (۳۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر آجکل کے نوجوان مولوی اعتراض کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ امام وقت تھے مگر کبھی آپکی زبان سے اعتراض نہیں نکلا۔ اور اعتراض تو کیسا، مولانا تو بالکل عاشق فانی تھے۔ ایک دفعہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولوی صادق الیقین صاحب سے فرماتے تھے کہ فلاں صاحب نے کیسی بُری بات کہی کہ حضرت تو بدعتوں میں مبتلا ہیں، ہماری نسبت تو قطع ہوگئی۔ دیکھو کیسی رنج کی بات ہے بھلا ان باتوں سے نسبت قطع ہوتی ہے۔ بھلا حضرت حاجی صاحب بدعتی ہیں۔

حکایت (۳۲۱) فرمایا کہ جب مولوی صادق الیقین حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی (دیکھئے ان بزرگوں کو نور باطن تو ہوتا ہی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نور ظاہر بھی اسقدر عطا فرماتے ہیں کہ جسکی انتہا نہیں) کہ میاں صادق الیقین جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آئیو اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجیو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا

کہ وہاں جاکر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھو گے اگر مجھے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جان نثار رہے۔ مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین و آسمان کا فرق ہے کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام کو ایک حرام کہتے ہیں ایک فرض کہتے ہیں اس میں بھی تو کوئی تطبیق نہیں ہو سکتی۔ پھر ہم دونوں کو حق پر مانتے ہیں اور تقلید کرتے ہیں ایسے ہی یہاں سمجھو۔

حکایت (۳۲۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے قطب الدین ایک صاحبزادے تھے ان کی شادی لکھنؤ ہوئی تھی اور ولیمہ نانوتہ میں ہوا تھا۔ مولانا نے بڑی خوشی میں ولیمہ کیا تھا اور اسمیں پلاؤ زردہ بہت اچھا پکوایا تھا۔ کھانے میں ذرا دیر ہوگئی تھی، جمعہ کا دن تھا گاؤں والے بھی ولیمہ میں آئے ہوئے تھے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ پہلے ان گاؤں کے آدمیوں کو کھانا کھلا دو کیونکہ ان کو دور جانا ہے۔ گھر کے آدمی پھر کھائینگے۔ جب انکو کھانے بٹھایا تو چاروں طرف سے زردہ کی مانگ ہونے لگی۔ مولانا پریشان ہوئے کیونکہ زردہ بہ نسبت پلاؤ کے تھوڑا پکتا ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسکی خبر ہوئی تو مولانا فوراً تشریف لائے اور مجمع میں آکر فرمانے لگے کہ یہ پلاؤ بھی کھانے ہی کیواسطے پکا ہے اور زردہ اندازہ سے پکا ہے۔ اور کھلانے والوں کو حکم دیا کہ اب پلاؤ دو زردہ نہ دو۔ بس سب دم بخود ہوگئے۔ پھر کسی نے نہ مانگا اور کام حسن و خوبی کیساتھ انجام کو پہنچ گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا

کہ مولانا کے اندر شانِ انتظام بڑی تھی کسی کے کہنے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ متشدد کہتے تھے۔ ہنس کر فرمایا اور الحمد للہ اب یہ میراث مجھے ملی ہے۔

حکایت (۳۲۳) فرمایا کہ ہمارے حضرات خلوتِ عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس سے شہرت ہوتی ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بھی کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ البتہ مولانا رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پر بہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اسکا غلبہ تھا۔ (اور یہ اثر اُن کے پہلے پیر کا تھا) باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا چنانچہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھوڑی سی دیر حجرہ بند کر کے اسمیں بیٹھتے تھے۔ ایکدفعہ میں نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں اس سے شہرت ہوتی ہے۔

حکایت (۳۲۴) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص نے دریدہ عبا بھیجی۔ آپ نہ ہنسے نہ تحقیر کی۔ بلکہ اسکو رفو کرا کر نمازِ جمعہ اسی سے پڑھی۔ ایسے ہی مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے ایک ٹوپی چھینٹ کی جس شالباف کی گوٹ اور گوٹہ لگا ہوا تھا بھیجی۔ آپنے اس لانیوالے کے سامنے فوراً اوڑھلی کہ مہدی سُن کر خوش ہوگا۔

حکایت (۳۲۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے تم چلتے ہو۔ مولانا نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں حضرت میں تو نہیں جا سکتا۔ میں تو ہندوستان میں لوگو

منع کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جزاک اللہ۔ میں اتنا تمہارے جانے سے خوش نہ ہوتا جتنا نہ جانے سے ہوا۔

حکایت (۳۲۶) فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ کی بہت تعریف فرما رہے تھے۔ بعد میں فرمایا مگر جو بات اس شخص (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ) میں تھی وہ کسی میں نہ تھی۔ حالانکہ گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ مقولہ خود حضرت گنگوہی سے سُنا ہے۔

حکایت (۳۲۷) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسقدر ذکی الحس تھے کہ ایکمرتبہ جب آپ مسجد میں عشاء کی نماز کو تشریف لائے تو فرمایا آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے۔ تحقیق کرنیسے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے مغرب کے بعد جلائی تھی جس کا اثر مولانا کو عشاء کے وقت محسوس ہوا۔ اور آپ کے یہاں عشاء کی نماز قریب ثلث شب کیوقت ہوتی تھی۔

حکایت (۳۲۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایکمرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلباء کتابیں لیکر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔

حکایت (۳۲۹) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی موجودگی میں کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ تسخیر کا عمل جانتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ جبھی تو میرے یہاں مولانا عبدالرحیم صاحب جیسے لوگ آتے ہیں۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب

حکایت (۳۳۰) احقر جامع نے مکرمی مولانا مولوی احمد شاہ حسن پوری مدظلہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے مکرمی حکیم مولوی محمد یوسف صاحب گنگوہی نے بیان کیا کہ پیرانِ کلیر میں میں نے ایک درویش صاحب کا یہ طرز دیکھا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار کے اندر نہیں جاتے تھے بلکہ مزار کے قریب دروازہ سے باہر کھڑے ہوکر کچھ رویا کرتے تھے۔ یہ درویش صاحب حکیم محمد یوسف صاحب سے ملنے گنگوہ آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ہم ان کو ظہر کے وقت مسجد خانقاہِ قطبِ عالم شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ میں لے گئے۔ وہ بزرگ درویش بعد نمازِ ظہر حسبِ عادت مزارِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہوکر کچھ دیر تک روکر واپس آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے، ہم کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت اقدس محبوبِ الٰہی مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے چلیں اور ظاہر نہ کریں کہ مولانا کے مزار پر لیجاتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ان درویش سے یہ فرمایا کہ جنگل کیطرف تشریف لے چلیے۔ درویش صاحب نے فرمایا بہت بہتر۔ حکیم صاحب موصوف گنگوہ سے غرب کی جانب جو ایک مسجد حضرت اقدس مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب بنی ہوئی ہے اسطرف کو لے چلے۔ فرشِ مسجد کے شمالی کنارہ پر جس وقت یہ درویش پہنچے نہایت زور سے اس درویش نے چیخ ماری اور کھڑے ہوکر شدت سے روتے رہے۔ اسمیں عصر کا وقت آگیا اور حکیم صاحب نے عصر کی اذان پڑھی۔ اذان کے بعد بھی وہ درویش کھڑے ہوکر روتے رہے۔ جب حکیم

صاحب نماز کیواسطے کھڑے ہوئے تب وہ درویش تکبیر کے وقت نماز میں شریک ہوئے۔ نماز کے بعد جب درویش صاحب واپس ہوئے تو حکیم صاحب سے فرمایا کہ ایسا نہیں کیا کرتے ہیں جیسا آپنے میرے ساتھ کیا۔ بعض وقت ایسے موقع پر جان نکل جاتی ہے۔ انسان کو جب کسی بزرگ کے مزار کی خبر ہوجاتی ہے تو کچھ سنبھل کرجاتا ہے۔ یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے کہ حضرت ممدوح نے شریعۃ کے پردہ میں اپنی نسبتِ عالیہ کا اخفا فرمایا تھا۔

حکایت (۳۳۱) مولوی محمد قاسم فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اسکو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اسمیں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپنے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جسقدر جس سے ہوسکے پڑھو، اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کیلیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کیساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اسوقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اُس قبر کی ہے جس پر عذاب ہورہا تھا۔ الحمدللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہوگیا (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۲) ایکمرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حدیث کے

درس میں اہل جنت کا ذکر آیا کہ مرد سبزہ آغاز بے ریش ہونگے۔ تو ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت مرد کے چہرہ کی زیبائش تو ڈاڑھی سے ہے۔ یہ بن جنتیوں کے لے کیوں تجویز ہوا۔ بیساختہ آپنے مسکرا کر جواب دیا کہ اسکا مزہ ان سے پوچھو جو ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۲۳) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بہت متبع سنت تھے، ایکمرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا۔ جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپنے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاوں پر رکھا۔ جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاوں کی کھونٹی انگوٹھے میں ڈالی۔ اس کے بعد بایاں پاؤں میں کھڑاوں پہنی۔ سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو جمع فرمایا ہے۔

حکایت (۳۲۴) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں تو حاجی صاحب کے ورد نامہ میں ایک شعر پسند آیا ہے ؎

مر اک کھیل خلقت نے بنایا ☆ تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا

حکایت (۳۲۵) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے۔ اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۲۶) مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایکبار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کیطرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا دیوبند۔ مولانا نے تعجب کیساتھ فرمایا کہ گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ، تمہاری مشکلکشائی حضرت مولانا رشید احمد ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں، کیا بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ قصوروار اللہ کے ہیں، اللہ سے توبہ کریں، بندہ بھی دعا کریگا چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برات کا کمشنر صاحب سے حکم آگیا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۲۷) ایک مرتبہ مولوی یحییٰ صاحب کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے۔ (کیونکہ اگر مولوی یحییٰ ذرا دیر کو بھی مولانا سے الگ ہوتے تو بار بار یاد فرماتے تھے) جب مولوی یحییٰ صاحب آئے تو مولانا نے فرمایا ؎

مت آئیو اور وعدہ فراموش تو اب بھی ☆ جسطرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

(منقول از اشرف التنبیہ) (از تحریرات بعض ثقات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۳۲۸) ایک بار (حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی)

جب بچے بھوک سے بیتاب ہوکر کھانے کا تقاضا کرتے تو ان کو چمکارتیں اور تسلی
دیکر فرماتی تھیں دیکھو چولہے پر کیا چڑھا ہوا ہے گھبرائے کیوں جاتے ہو۔ جب تمہارے
والد آئیں گے ان کیساتھ کھانا کھائیو۔ بچے روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر
ہوتے اور چمٹتے ہوئے کہتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر پر چل کر کھانا کھلاؤ۔ حضرت اُن کے ہمراہ گھر
میں تشریف لاتے اور بیٹھ کر خود بھی ان کیساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے
کہ میرے گناہوں کے باعث ان معصوم بچوں پر بھی مصیبت آ گئی۔ یہی قصہ دن میں دو
چار دفعہ ہوتا تھا۔

حکایت (۳۴۴) ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے
بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے۔ سو جسکا ذکر اتنا لمبا ہو اسکا حال کتنا لمبا ہوگا۔

حکایت (۳۴۵) ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے
لوگوں نے فاقے اٹھائے مگر بحمد اللہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

اُستاذ العلماء جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی
صدر مدرس دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۳۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ
ہوا اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے۔
میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں۔ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے

؎ یہ شان اقطاب تکوین کی ہوتی ہے۔ بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کیساتھ قطبیت تکوینیہ کا مرتبہ
بھی عطا ہوتا ہے اور مولانا کی قطبیت ارشادیہ میں کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ (اشرف علی)

کر دیں۔ میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائیگا ہم اُس جگہ کو آباد کر دیں گے میں اسکے بعد اکثر
شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تا کہ ویران مقامات آباد ہو جاویں۔ خانصاحب
نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبد الحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی اور مولوی فخر الحسن
گنگوہی بھی موجود تھے اور مولوی عبد الحق صاحب نے اس مقام کے آباد ہونے کی بشارت
مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں [illegible] ہوا تھا اور
جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

حکایت (۳۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ
چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا تھا آپ
بھی باتیں کر رہے تھے۔ حکیم عبد السلام مسیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب
(مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد اور پختہ شاگرد
میں تھے اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے) حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں
کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف
مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ جب میرا مکہ جانیکا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت
انہوں نے بہت شد و مد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو ہندوستان مت جاؤ اسواسطے کہ
وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ سنکر جناب مولوی محمد یعقوب
صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مڑ کر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں جو
اور اُن کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا اُن کا۔ یہاں کچھ نہیں ہونے
کا۔ رات کو اکی دن کو اکی رات، کو اکی دن کو اکی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپیٹ جائیگا
جھاڑو پھر جائے گی، کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا۔ اسپر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبد السلام

؎ یہ اعلیٰ شان قطبیت کی فرع ہے۔ (اشرف علی)

ہے کیا کرتی ہو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حکایت (۳۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور چند دوسرے اشخاص بھی اسوقت پہنچ گئے۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج رات مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے کچھ جواب (ارشاد فرمایا) میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو کہ بظاہر گستاخی میں داخل تھا) اسکے جواب میں ارشاد ہوا کہ بس چپ رہو بکو مت۔ ایسی گستاخی۔ یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف ہو گیا۔ اسکے بعد آسمان سے ایک پرچہ یا کھٹولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کیا فرمایا تھا) اترا جسکے [illegible] پائے سب الگ الگ تھے) میں نے عرض کیا کہ حضور میں سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا ہاں انتہا کلامہ الشریف۔ خانصاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض الموت علیل تھے۔ مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا، توبہ توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں۔ اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری گردن ناپ جاتی۔

حکایت (۳۴۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خانصاحب خانپوری (یہ صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحاق صاحب عرف چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے) اور فیض محمد خانصاحب نواب وکالوی اور

بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال داخل اور قابل ہو کر معاف فرما دیئے جاتے ہیں ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے حضرت نے خود مولانا سے سنا ہے کہ ایک بار میں نے استنجا کر کے پاؤں دھونا بھول گیا۔ بجز جذب کے اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ (اشرف علی)

میانجی محمدی صاحب (یہ میرے اُستاد اور سید صاحب سے بیعت تھے) اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خاں صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی یہ لوگ میں نے ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی بلکہ اُنکے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ اس پر میں ایک بات سناتا ہوں۔ مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے۔ مجھ سے اُنکی بہت ملاقات تھی۔ اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے حج بھی بہت کیے تھے مگر ہمارے بزرگوں کیساتھ اُن کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھی۔ ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کی دعوت تھی۔ دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی۔ اور ہم لوگ دروازہ کے قریب بیٹھے تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو ہم دونوں باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے۔ امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بد اعتقادی تھی۔ انکی نورانی صورت ان کی ولایت پر خود شاہد ہے۔ ایسی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہو سکتی۔ اور اُنپر اسوقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بیتاب ہو گئے اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انہوں نے مولانا کے قدم پکڑ لیے اور بہت روئے۔

حکایت (۳۵۰) مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد میں

قال الرومی ؎
نور حق ظاہر بود اندر ولی ٭ نیک بیں باشی اگر اہل دلی
قال العلامۃ صوفی فی ترجمہ ؎
مرد حقانی کی پیشانی کا نور ٭ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور
(اشرف علی)

نامی نے جو میرے ساتھ موجز میں شریک تھے اور ریاست رامپور کے رہنے والے تھے ایک قصہ اپنے شہر کا بیان کیا کہ وہاں ایک شخص پر ایسا قبض شدید طاری ہوا کہ انہوں نے خودکشی کا ارادہ کرلیا اور کچھ تعجب نہیں ہے

بے دوست زندگانی ذوقِ چناں ندارد ؎ ذوقِ چناں ندارد بے دوست زندگانی

بیچارے فن سے ناواقف تھے اسلیئے وارد کی حقیقت کو نہ سمجھے مولوی ارشاد حسین صاحب کے پاس پہنچے اسوقت وہ مثنوی پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا شیطان ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر شیطان ہو تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ سنکر وہ سیدھے اٹھے ہوئے قیامگاہ کو چلے گئے اور یہ سمجھ گئے کہ اب تو ایک شیخ کا بھی یہی فیصلہ ہے واقعی میں ایسا ہی ہوں۔ اپنے وجود ناپاک سے دنیا کو پاک کر دینا چاہیئے۔ مُرید سے بلاکر کہا کہ میں اپنا گلا کاٹوں گا اگر کچھ باقی رہجائے تو تم تکمیل کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے حجرہ میں جاکر اپنی گردن کاٹ لی۔ جب وہ مرچکے تو مرید بھلے مانس نے جو حصہ باقی رہگیا تھا اُسکو بھی علیحدہ کردیا۔ پولیس نے مُرید کو گرفتار کرلیا۔ نواب صاحب والیٔ ریاست رامپور کے یہاں مقدمہ پیش ہوا۔ اُس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ مولوی ارشاد حسین صاحب کو خبر ہوئی اور انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ نوابصاحب نے اس مُرید کو چھوڑ دیا۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ سُنکر یوں فرمایا کہ ان کو یہ جواب دینا چاہیئے تھا کہ اگر شیطان ہو تب بھی کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو اُنہی کا ہے اس سے نسبت کہاں منقطع ہوئی اس سے قبض جاتا رہتا۔ کسی نے ہمارے حضرت سے عرض کیا کہ نسبت تو مقبولیت کی مطلوب ہے نہ کہ مردودیت کی۔ فرمایا یہ انکا علاج تھا۔ اُس سے اُنکا قبض جاتا رہتا۔ ایسے وقت

تشریف لاتے تو ہیں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے۔ نواب صاحب اسکو سو روپے دیتے ہیں۔ ہیں وہ خود بُلاتے ہیں اس لئے شاید دو سو دیدیں۔ سَو دو سَو روپے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جاکر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگا دیں گے۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۵۱) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایکمرتبہ ظرافت سے فرمایا کہ دیکھو بھائی ستمبر کا نام کریما میں بھی آیا ہے اور یہ شعر پڑھا ۔ ستمبر ضعیفانِ مسکین مکن۔ الخ

حکایت (۳۵۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ قرآن و حدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آجائے وہ صحیح ہے اور اسکے بعد اپنے اہوار کی نفرت ہے۔

حکایت (۳۵۳) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مُہر املی کے بیج کے برابر تھی۔ لوگوں نے کہا کہ ذرا بڑی مُہر بنوا لیجئے۔ مولانا نے فرمایا کیا ہوگا یہ چھوٹی سی کاری ایسی ہے کہ اول اسکو تلاش کرتے ہیں جہاں یہ نہ ہو بڑی بڑی مُہریں اینٹ سی اینٹ سی بیکار سمجھی جاتی ہیں۔

حکایت (۳۵۴) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مزاح میں فرماتے تھے کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں۔

حکایت (۳۵۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے مولوی مظہر الدین

(علمائے دیوبند کی حکایات، ص ۱۴۰)

غیرِ تسلیم و رضا کو چارہ ٭ در کفِ شیرِ نرِ خونخوارہ

حکایت (۲۶۴) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنیوالی ہے۔ اگر ہر چیز میں سے برکات کے جاویں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یہ بلا ٹل جاوے۔ بعض اہلِ دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہوگئی ہے۔ اسکی خبر کسی نے مولانا کو کردی تو مولانا کو اس پر بہت غیظ آیا اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند، یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ اس جملہ کو چند بار تکرار فرمایا۔ اسوقت حاجی محمد عابد صاحبؒ حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سُن رہے تھے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرمارہے ہو۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سُنا دیا کہ یوں فرمارہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہوگا۔ اسکے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی۔ پس دیوبند خالی ہو ہوگیا۔ جب یہ وبا ختم ہوگئی تو آسمان کیطرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا بھی وقت آگیا، کیا ابھی دیر ہے۔ بس اسکے بعد اپنے وطن نانوتہ پہنچے اور وہیں جاکر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حکایت (۲۶۵) فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار

کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لیجا کر باندھ لیتا اُسے ہی آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لیگئے کہ جب ہی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہوکر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہوگئی یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالینگے۔ ایسے ہی پڑے رہیو لوگ جوتہ پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلینگے۔ بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لیجانا بند کردیا۔

حکایت (۲۶۶) فرمایا کہ میرٹھ مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہما ایک جگہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے مگر مولانا نانوتوی تو نیچے کے درجہ میں تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اوپر کے درجہ میں تھے کہ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو جو سیانی تھی اپنے ہمراہ لائی اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے (چونکہ مولانا محمد قاسم بہت مشہور تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اسقدر مشہور نہ تھے کسی نے اُن ہی کا پتہ دیدیا) عرض کیا کہ یہ میری چھوکری ہے اور مدت سے بیمار چلی جارہی ہے۔ میری اوقات بسر اسی پر ہے۔ آپ اسے تعویذ یا دعا کر دیجئے۔ (مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع پر حرف آئے نہ اس کی دل شکنی ہو) اس سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں تم اُن کے پاس لیجاؤ۔ یہ اوپر پہنچی مولانا محمد یعقوب نے پوچھا کیا بات ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ میری یہ لڑکی ہے اسکو مرض ہے اور میری اسی پر کمائی ہے آپ دعا یا تعویذ کر دیجئے۔ مولانا محمد یعقوب نے [illegible] دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اُسے کس

حکایت (۳۷۹) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص مٹھائی کا دونا لایا اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ گانے بجانے کا کام کرتا ہوں۔ فرمایا مردود ہمیں حرام کھلاتا ہے۔ اور اس زور سے ٹھوکر ماردی کہ دونا دور جا کر گرا۔

حکایت (۳۸۰) فرمایا کہ زمانہ جنگ روم و روس میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص زیارت کو آئے اور ساتھ ہی ایک شخص کا خط بھی رومیوں کی فتحیابی کے لئے لائے کہ حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ رومیوں کو روسیوں کے مقابلہ میں غلبہ دے۔ انکے خط دینے سے پہلے ہی حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ واہ صاحب بڑے آئے ہیں دُعا کرو دُعا کرو۔ کیا روسی خدا کے بندے نہیں ہیں، رومی ہی ہیں۔ ایک آدمی شہید ہوتا ہے تمہارا کیوں دم نکلتا ہے۔ (پھر اس شخص کو خط دینے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ جواب تو ہو ہی گیا)

حکایت (۳۸۱) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ مجذوب صاحب حال تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دُعا کیلئے حاضر ہوا۔ ابھی آپ دُعا کرنے نہ پائے تھے کہ فریق مخالف بھی دعا کے لئے حاضر ہوا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ یہ فریق ثانی ہے۔ اب انکار کس سے کریں، یہ کیسے معلوم ہو کون حق پر ہے۔ پس فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ (اے اللہ جس کا حق ہو اُسے دلوا دے) اب یہ کس کا منہ تھا کہ غیر حق کیواسطے دعا کرے۔ ان حضرات کے اندر عقل بھی کامل ہوتی ہے۔ یہ لوگ عرفاء، عقلاء تھے اگر مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ احقر ظہور الحسن غفرلہٗ

نیل المراد فی السفر الی گنج مُراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد ۱۴ر رمضان ۱۳۵۲ھ کو دوشنبہ کے دن صبح کے وقت حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی الطریقۃ مولانا الحافظ الحاج المفتی المولوی اشرف علی صاحب نے بمقام خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون فرمایا کہ مجھ کو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونیکا شرف حاصل ہوا ہے۔ یقین کے ساتھ تو ماہ و سنہ یاد نہیں ہیں لیکن گمان غالب سے کہتا ہوں کہ اول مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں ۱۳۰۱ھ تھا اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاول تھا۔ کیونکہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کانپور کے کچھ بعد تھی اور تعلق کانپور کا زمانہ آخر صفر تھا جو قرب میلاد کا زمانہ تھا اور اکثر لوگ میلاد کے متعلق مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ میں نیا نیا مدرس ہو کر کانپور گیا تھا۔ بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا۔ گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رکنا پڑا۔ اسی زمانہ میں جبکہ کانپور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا۔ یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں۔ کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنیکا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم مہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ انکو ہمراہ لیکر مراد آباد کے قصد سے روانہ ہوا۔ اناؤ تک ریل سے مسافت طے کی باقی راستہ ٹٹو

سے قطع کیا۔ راستہ کچھ اچھا نہ تھا ایسا ہی تھا۔ کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی اور اس پر طرہ
یہ کہ ہم دونوں راستہ سے واقف نہ تھے۔ نہ کوئی پتہ نشان نہ کسی سے پوچھا تھا یونہی
چل کھڑے ہوئے تھے۔ اور ٹٹو والا (فیروز) تھا وہ پینٹھ میں کہیں پیچھے رہ گیا ہم اکیلے
چلے جارہے تھے لیکن ہم دونوں راستہ سے ناواقف تھے۔ اور اسی وجہ سے کئی جگہ
راستہ بھولے جب کوئی گاؤں نظر آتا اسمیں جاکر راستہ پوچھتے پھر آگے چلتے۔ غرض کئی
جگہ شبہ ہوا اس شبہ اور دھوکہ ہی میں دن ختم ہوگیا اور راستہ ہی میں آفتاب غروب ہو
گیا۔ رات ہوجانے کے بعد ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ ہوگیا۔ لیکن برابر بڑھتے ہی
چلے گئے۔ کیونکہ شوق زیارت کا شدت کا تھا۔ خدا خدا کرکے پہنچے۔ عشاء کی نماز ہوچکی تھی
مولانا مسجد سے حجرہ میں تشریف لیجا چکے تھے۔ خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی۔
حضرت نے بلالیا اور میں نے رفیق کو اسباب کے پاس چھوڑا اور خود اسی خادم
کے ہمراہ حاضر ہوگیا۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک جانب تخت بچھا ہوا تھا جس کے
پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا۔ اور حضرت مولانا ایک دوسری جانب چارپائی
پر تشریف فرما تھے۔ میں سامنے جاکر کھڑا ہوگیا اور سلام عرض کیا۔ جواب دینے کے
بعد اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے یکساتھ تین سوال کئے۔ کون ہو؟ کہاں سے
آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت مولانا کا لہجہ طبعی طور پر سادہ تھا۔ مزاج میں سادگی
بہت تھی۔ یعنی تکلف کے پابند نہ تھے صاف طبیعت تھے۔ گفتگو میں لہجہ ذرا تیز
تھا خصوص اس کیساتھ جو معتقد ہوکر جائے۔ جیسے میں گیا تھا۔ اور وہاں تو اکثر
لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے۔ ایسا لہجہ تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص دیکھے تو یہ
گمان کرے کہ مولانا غصہ فرمارہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی جسکو دو چار بار حاضری

کا اتفاق ہوجاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا کہ حضرت کا لہجہ ہی ایسا ہے۔ لطف اور
عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ غرض مولانا نے تیز لہجہ میں
یہ تین سوال ایک ساتھ کیے، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ میں نے
بھی علی الترتیب اور ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں کے جواب میں عرض کیا کہ میں
ایک طالب علم ہوں کانپور سے آیا ہوں۔ زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔ یہ سنکر اور تیز
ہوئے اور فرمایا بڑے آئے زیارت والے۔ ارے یہ کوئی زیارت کا وقت ہے یہ
وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں آدمی کو چاہیے کہ ذرا سویرے آئے۔ دوسرا کچھ
روٹی وغیرہ کا انتظام تو کرکے۔ اب بتلاؤ تمہارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں۔ مجھے
ذرا کا خوف نہ آیا مجھکو زمین نہ نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جواب میں
دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا رنج نہ پایا بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ
لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا۔ کیونکہ خاص عقیدت کیساتھ حاضر ہوا تھا اور عقیدہ
کا تقاضہ یہی ہے۔ گو میرے پاس عذر تھا لیکن میں نے اسوقت عرض کرنا خلاف ادب
سمجھا۔ یہ ایک تنبیہ تھی سو میں اسکا کیا جواب دیتا۔ چپ کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا
تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے
کچھ لیکر کھالو اور صبح چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ اس ارشاد کے بعد خادم
سے کہا کہ انہیں لیجاکر فلاں مکان میں ٹھہرادو۔ چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہولئے اور اُسنے
لیجاکر ایک جگہ دکھادی۔ ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی محفوظ جگہ نہ تھی سہ دری
سی تھی۔ نیز میں مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اتارنے لگا۔ یہی ارادہ
تھا کہ بازار سے لیکر کچھ کھا پی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہوجائیں گے۔ لیکن تھوڑی

دیر میں ایک خادم آیا اور کہا کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ کچھ لو یاد آیا ہوگا۔ لیکن میں نے دل میں کہا کہ بجائی سُننے کو تو ہم آئے ہی ہیں۔ میں ساتھ ہو لیا اور سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا "بیٹھ جاؤ" مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ حالانکہ اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی۔ جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا کچھ لہجہ ہی ایسا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی، تصنع اور تکلف نہ تھا۔ میں یہ ارشاد سُنکر تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ فرمایا اجی یہاں آجاؤ تخت پر بیٹھو۔ میں حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کیلئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔ چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا۔ ایک پیالہ میں سالن تھا۔ غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جب خادم نے کھانا میرے سامنے لا کر رکھا تو مولانا نے دیکھ لیا حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی اور میں بھی کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ نگاہ حضرت کی اس عمر میں بھی بہت اچھی تھی۔ کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا، بدتمیز یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمانوں کیواسطے۔ ارے روٹی الگ طباق میں لاتا سالن علیحدہ برتن میں لاتا، یہ کونسا طریقہ ہے پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈھا، ملا نہیں۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ ارے فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے؟ یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔ خادم یہ سُنکر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا ورنہ سب روٹیاں ہاتھ پر رکھ کر کھانا پڑتیں۔ جب میں نے کھانا شروع کر دیا تو فرمایا کیا کھانا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے۔ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے پڑھا ہے۔ مولانا کو کشف ہوا۔ پھر فرمایا

بہت اچھے آدمی تھے۔ یہ گویا مولانا نے بہت بڑی تعریف کی۔ کیونکہ مولانا مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے۔ اتنا فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے بہت بڑی تعریف ہے۔ اس سے حضرت مولانا کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہو گیا۔ غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو تم کو معلوم ہے کہ صحابہؓ کی کیا حالت تھی؟ ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن دن بھر لڑتے تھے۔ جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ عادت یہی تھی کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے۔ غرض جوش میں کھڑے ہو گئے اور پاس آ کر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور دیر تک حضرات صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے میں کھانا کھاتا رہا۔ ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ شعر بھی پڑھا۔ پھر اسکے بعد فرمایا کہ بیر کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک ہے۔ فرمایا اجی تبرک وبرک کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ بیر کھانیسے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا حضرت نہیں۔ پھر وہاں سے چلے اور ایک برتا ہوا بدھنا اٹھا کر لے آئے جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے اور لا کر میرے سامنے اُلٹا کر دیا اور کہا کھاؤ۔ پھر بطور مزاح کے فرمایا کہ کبھی دلیس کہتے آپ ہی کھا لئے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔ جب میں کھانیسے فارغ ہو گیا تو فرمایا، اچھا جاؤ عشاء پڑھ کر سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہوگی۔ پھر مولانا اسوقت تشریف لیگئے۔ خبر نہیں کہاں، حجرہ میں یا مکان کے اندر۔ ہاں! حضرت نے کانپور سے گنج مراد آباد تک قصر کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا اور میں نے جواب بھی دیا تھا اور اسپر حضرت نے کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی لیکن تفصیل یاد نہیں۔ نہ سوال نہ جواب، نہ حضرت کی اصلاح، کچھ یاد نہیں۔ پھر میں نے نماز پڑھی اور جائے قیام

حضرت حاجی صاحب سے چلتا ہے اور یہ تینوں حضرات محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے خود کرتے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھتے تھے جیسا کہ متعدد تحریرات سے ثابت ہے الخ۔

جواب: حضرت حاجی صاحب کی تحریر میں ضرور لکھا دیکھا ہے کہ مجھ کو قیام میں لذت آتی ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو کسی معتبر کتاب یا تحریر میں دکھلائیے کہ یہ تینوں حضرات میلاد شریف خود کرتے تھے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے محض میلاد شریف کا ثبوت نہ ہو دونوں باتیں ہوں۔ ورنہ مؤلف صاحب جہلائے کو خوش کرنے کے لیے ناحق جھوٹ بول کر مورد لعنت بنتے ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ارشد شاگرد تھے۔ مگر ہمارے حضرت کے یہاں نہ کبھی مولود شریف مروجہ ہوا نہ پیران طریقت کا عرس ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مولود شریف نہیں ہوتا۔ فرمایا روز ہوتا ہے۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھا اور فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مولود نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کیوں پڑھتے۔ ایک مولود خواں نے میرے سامنے عرض کیا کہ مولود شریف کرنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اولیائے کرام کے ذکر میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کے ذکر کو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ بخاری شریف وغیرہ سے صحیح صحیح روایتیں پڑھے۔ پھر قیام میلاد کو پوچھا۔ فرمایا کہ تم تو جھک مارتے ہو (جھک مارنے کا لفظ بالکل صحیح ہے باقی الفاظ بھی معنی صحیح ہیں) ایک غیر مقلد نے قیام میلاد کو پوچھا فرمایا آنحضرتؐ کی محبت میں جو وجد کرے مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مؤلف صاحب حکیم امت کی یہی شان ہے کہ جیسا سائل مریض ہو ویسا جواب عطا ہو۔ معلوم ہوا کہ جو حضور پرنور سے نہ ثابت ہو نہ صحابہ کرام

کا فعل ہو نہ ائمہ مجتہدین کا قول کتب معتبرہ فقہ میں منقول ہو اس پر وجوب وسنت و مستحب کا شرعی حکم کیا دیا جائے۔ بزرگوں کا فعل ہے تشبہ بالصالحین کے طور پر قیام کرے یا مستحسن بعض اہل علم وطریقت سمجھے۔ جو صاحب حال ہو کر محبۃً قیام کرتے ہیں ان کو لذت حاصل ہوتی ہے جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی چونکہ جامع شریعت وطریقت تھے شرعی حکم کچھ نہیں دیا وجدانی طور پر فرمایا کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مؤلف صاحب نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا قول استناداً پیش کیا ہے اور محدث مانتے ہیں لہٰذا میلاد شریف اور قیام میں ان کا فتویٰ بھی نقل کیے دیتا ہوں۔ حضرت استاذی مولانا عبدالحی صاحبؒ فرماتے ہیں:-

"مسلمنا کہ وجود ذکر مولد در زمانے از ازمنہ ثلاثہ نبود پس میگوئیم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ۔ کل فردٍ من افراد نشر العلم فهو مندوبٌ وذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوب او دادہ خواہد شد و نیز ہمیں مسلک فقہائے متبحرین است واہل فتاویٰ مستنبطین مثل ابوشامہ وحافظ ابن حجر وسیوطی وشامی وامثال آں رفتہ اند وحکم بہ مندوب ذکر مولد دادہ اند۔ حاصل مرام اینکہ ذکر مولد فی نفسہٖ امریست مندوب بسبب وجود او در خیر الازمنہ بسبب اندراجش زیر سند شرعی وکسے مندوبش را منکر نشدہ مگر یک طائفہ قلیلہ کہ رب النوع آں طائفہ تاج الدین فاکہانی مالکی است واو را طاقتے نیست کہ بمقابلہ علمائے مستنبطین کہ فتویٰ ندب ذکر مولد دادہ کنند پس قولش دریں باب معتبر نیست۔ آرے اگر بکیفیت ذکر مولد کہ سابقاً گذشت۔ تحقیقات غیر مشروعہ وتشرفات غیر ماثورہ منضم شوند حکم ندب آں باقی نخواہد ماند لیکن ایں امریست دیگر ودر نفس جواز

سے ادا ہوتے ہوئے سُنے، سوز و گداز نے عالم بیخودی پیدا کر دیا اور کچھ خبر نہ رہی۔ یہ آخری صورت اسطرح واقع ہوئی کہ باوجودیکہ تمام عمر مجھ کو زیارت اقدس کا اتفاق بچشم ظاہر سے نہیں ہوا لیکن ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں امید ہے کہ شناخت کر سکوں۔ حضور اقدس کی خدمت میں بصد ادب مستدعی ہوں کہ میرے واسطے دعائے خیر فرماویں۔ امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ابواب رحمت کھولدے اسلئے کہ ؎

ای دعائے بیخوداں خود دیگر است ۔ آں دعا زو نیست گفتِ داور است
آں دعا حق میکند چوں او فناست ۔ آں دعا و آں اجابت از خداست
واسطہ مخلوق نے اندر میاں ۔ بیخبر زاں لابہ کردن جسم و جاں
بندگانِ حق رحیم و بُرد بار ۔ خوئے حق دارند در اصلاحِ کار
مہرباں بے رشوتاں یاری کناں ۔ در مقامِ سخت در روزِ گراں

مجھے یقین قطعی ہے کہ میری مشکل کو بجز ذاتِ گرامی کے اور کوئی شخص سارے ہندوستان میں دفع نہیں کر سکتا اسلئے کہ میرے عقیدہ میں حضور والا ہی زمانہ موجودہ میں قطب الہند ہیں اور صحیح معنی میں اعلیٰحضرت جد محترم مولانا فضل رحمن صاحب نور اللہ مرقدہ کے قائم مقام اور جانشین ہیں اگر میرے حق میں دعا فرمائیگے تو یقیناً باب رحمت فضل و کرم کھل جائے گا ؎

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ۔ فانی است و گفتِ او گفتِ خداست
چوں خدا از خود سوال و کد کند ۔ پس دعائے خویشتن چوں رُد کند

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بھی قریب قریب اسی کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے مجدد زماں بزرگانِ دین نے بے لوث اور بلاغرض ہمیشہ شکستہ دلوں کی دستگیری کی ہے۔

الحاق

احقر ظہور الحسن جامع اوراق ہذا عرض رسا ہے کہ دوران طبع جزو ہذا میں مجھ کو تھانہ بھون کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب قدس سرہٗ کے نبیرہ صاحب کا (جنکا نام نامی خط ذیل کے ختم پر مذکور ہے) ایک خط جو حضرت حکیم الامت جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم کے نام تھا اور اسکا جواب بھی جو حضرت حکیم الامت دام فیوضہم کیطرف سے لکھا گیا تھا نظر پڑا۔ چونکہ کاتب یعنی نبیرہ صاحب موصوف بمصداق الولد سر لابیہ اور مکتوب الیہ یعنی ان کے خط کا مضمون بمصداق ؏ گفتِ الناس پارہ انساں بود۔ اپنی شان خاص سے حضرت قدس سرہٗ یعنی صاحب تذکرہ کے حکم مذکر تھے اسلئے اس تذکرہ مسکی کو تذکرہ حسنیہ کیساتھ ملحق کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ وہو ہذا۔

خط نبیرہ صاحب۔ محلہ درگاہ ملاواں ضلع ہردوئی۔ ۲؍ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ایدکم اللہ بالسعادت

اے لقائے تو جواب ہر سوال ۔ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

مجدد العصر حکیم الامۃ مربی اعظم زاد اللہ مجدہٗ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مدت مدید سے عرض حال کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ہمیشہ یہ خیال مانع رہا کہ مستفید اور مستفیض میں کچھ نسبت تو ہونا چاہیئے۔ کہاں ایک فقیر بینوا اور کہاں ایک عالی مرتبہ بزرگ ذیشان۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بارہا عالم خواب و خیال میں حضور والا کی زیارت ہوئی مگر اسکو وہم و تخیل سمجھتا رہا۔ کل صبح عریضہ لکھنے کا قصد کیا معاً جناب والا کی شبیہ کو اپنے روبرو پایا۔ علامات تسکین و تشفی زبان حالی

مجھے امید ہے کہ میری مشکلات دینی و دنیوی آسان ہونے کے واسطے حضور والا بارگاہِ رب العزت میں دعا فرمائینگے۔ ورنہ کارِ صعب است مبادا کہ خطائے بکنم۔ اپنی بے لیاقتی پر متاسف و متحیر ہوں ورنہ خود حاضرِ خدمتِ عالی ہوتا۔ جواب عریضہ سے مع خیریتِ مزاجِ عالی سرفرازی کا منتظر ہوں والسلام۔ عریضۂ ادب خاکسار محمد فیاض نبیرۂ اعلیحضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ محلہ درگاہ (ملاواں) ضلع ہردوئی۔

جواب: از حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم۔ مکرمی سلمہٗ السلام علیکم۔ نسبت کے متعلق جو لکھا ہے بڑی نسبت تو اسلام ہے جسکے اعتبار سے سب بھائی ہیں یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کون بڑا بھائی ہے کون چھوٹا بھائی ہے۔ خواب اگر وہم ہے تاہم علامت محبت ہے کبھی رائی کیطرف سے کبھی مرئی کیطرف سے کبھی دونوں کیطرف سے۔ دعا کی جو خواہش کی ہے دل و جان سے دعائے صلاح و فلاح کرتا ہوں اگرچہ اس کا اہل نہیں لیکن دعا کیلئے استعداد قبولیت ہی شرط نہیں محض نیاز کافی ہے۔ آگے جو کلمات میری حیثیت سے زیادہ لکھے ہیں ان کو فالِ نیک میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ حضرت قدس سرہٗ کی ہم جو نسبت اپنے حسن ظن سے ظاہر فرمائی ہے اسکی نسبت تو یوں کہوں گا ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ البتہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی فالِ نیک بنادے قدرت میں کیا مشکل ہے۔ دعا کا محتاج ہوں اور اپنے لئے بھی دعا چاہتا ہوں والسلام۔

اشرف علی۔ از تھانہ بھون ۱۳ ذیقعدہ

الحمد للہ کہ رسالہ [illegible] بتاریخ ذیقعدہ کو تمام ہوا۔

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندیؒ کی حکایات

حکایت (۳۸۲) فرمایا کہ حاجی محمد عابدؒ ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب ان کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیونکہ وہ اسوقت مہتمم مدرسے تھے۔ اسوقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ اسوقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے اسلئے انہوں نے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ پھر میں گیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کیا اسکی حاجت نہیں میں ویسے ہی عرض کرلوں گا۔ فرمایا تم اپنے آپ کو ڈپٹی صاحب پر قیاس کرتے ہوگے۔ کہاں وہ دنیا دار کہاں تم نائب رسول۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص تھے جو اپنے مجمع میں سب سے اخیر درجہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حکایت (۳۸۳) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈیوڑھی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور اس طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کردیجئے۔ آپ نائب رسول ہیں آپ کی ناراضی رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک معمولی طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے سچ ہے ع

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ٭ تہی خمخانہا کردند و رفتند

کیوں بند کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اسوقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے۔ تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا اسلئے قطع کر دیا۔

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مرشدی و مولائی سیدی وسندی جناب مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی حکایات

حکایت (۴۱۸) فرمایا کہ چندہ کے متعلق میری مولانا...... صاحب سے بہت گفتگو ہوئی۔ میں کہتا تھا کہ خطاب خاص میں وجاہت کا دخل ہوتا ہے۔ دینے والے کے قلب پر مانگنے والے کی وجاہت کا اثر پڑتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم کیا اور ہماری وجاہت کیا اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا آپ کی نظر میں بیشک اپنی وجاہت نہیں ہے لیکن لوگوں سے پوچھیے کہ اُنکے قلوب میں آپ کی کتنی وجاہت ہے۔ مولانا نے فرمایا نہیں جی۔ بہت دیر گفتگو رہی لیکن انہوں نے میری رائے نہ مانی اپنی رائے پر قائم رہے۔

حکایت (۴۱۹) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی جس وقت نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کے نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہدیا کہ اشرف علی آیا ہے اور جب چلنے لگا تو کہدیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے جا کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے تشبہ بالتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔

حکایت (۴۲۰) فرمایا کہ [illegible] میں بڑے جلسہ میں [illegible] حضرت [illegible]
[illegible] حضرت مولانا [illegible] کو [illegible]

چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی۔ مولانا نے دعوت منظور فرمالی اور شیخپورہ چلے گئے۔ شب کو وہاں رہے۔ صبح کے وقت چھاجوں پانی پڑ رہا تھا۔ مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اسوجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اُترے میں بھی ہمراہ تھا۔ راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے، سڑک پر جاتے ہوئے ملے۔ مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنیکی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ مجھ کو واپسی کی اُمید نہ تھی۔ مولانا نے فرمایا، اچھا بھائی پھر سہی۔ اسنے کل صبح کا وقت معین کیا۔ (تبسم سے فرمایا ظالم نے شام کو بھی تو نہ کہا) ہمارے حضرت نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی۔ مولانا چونکہ بزرگ تھے اُن کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونیکا حکم ملا۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھ تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے۔ فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقعہ نہ ملا اسلئے نیچے بلایا اور اچھی طرح اُسکے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بلا کر ایسے ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں۔ تجھے تو چاہیئے تھا کہ اگر مولانا شیخپورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا۔ اسنے آئندہ کیلئے توبہ کی [illegible] کہ یہ شان انتظام ہے جو ہمارے حضرت میں بحسن الوجوہ ہے۔

حکایت (۴۲۱) فرمایا کہ ایک [illegible] بہت [illegible] میرے پاس آئے [illegible] حضرت نے [illegible] کے خلاف سے جانتے [illegible] مجھ سے بیعت [illegible] میں نے اس [illegible] بیعت کر لیا [illegible]

کسی سے بھی خواہ وہ معتقد ہو یا غیر معتقد الجھنا نامناسب (دوسرا) مناظرہ کرنا، اور اپنی بیوی کو بھی مرید کرایا میں نے اس سے بھی یہی شرط کرلی، وہ چار یار آنے کے بعد معتقد تھے۔ یہ اتباع حق کی برکت ہے۔ اکثر مناظروں سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جو طریقِ باطن میں بہت مضر ہے۔

حکایت (۴۲۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات وحالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں ایک وکیل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد بھی بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی، انہوں نے مجھے مخاطب کرکے اسی حالت میں یہ شعر پڑھا ؎

تو منور از جمال کیستی ؎ تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہ یہ جواب دیا ؎

من منور از جمال حاجیم ؎ من مکمل از کمال حاجیم

حکایت (۴۲۳) ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت مولانا ..... رامپوری فرماتے تھے کہ بھائی اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ طالب مطلوب بنکر آتے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کسی صورت سے اللہ کا نام آجائے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ اللہ کا باغ ہے اسمیں ہر قسم کے درخت ہونے چاہئیں اندر کے درخت تو ایسے ہی ہونے چاہئیں جیسے حضرت رامپوری تھے۔ اور باہر کے ایسے ہونے چاہئیں جیسے ہیں۔ کیونکہ باغ میں جب تک باہر کے درخت خاردار نہیں ہوتے جبتک اندر کے درختوں کی حفاظت نہیں ہوتی۔ میں وقایہ ہوں بزرگوں کا جو یہاں سے جائیگا پھر ان حضرات کو نہ ستائیگا۔ واقعی کہیں تو اس شعر کا مصداق ہونا چاہیئے ؎

بانگ می آید کہ اے طالب بیا ؎ جود محتاج گدایاں چوں گدا

اور کہیں اس شعر کا مصداق ہونا چاہیئے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ؎ دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ایک واقعہ یاد آیا کہ میرے پاس ایک شخص مرید ہونے آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس موروثی زمین تو نہیں۔ اُسنے کہا بہت (وہ اسکو کچھ اچھا سمجھتا تھا) میں نے کہا کہ پہلے اس سے استعفاء دے آؤ پھر مرید کرینگے۔ وہ یہاں سے سیدھا رامپور پہنچا اور مرید ہو کر یہاں آیا اور کہا کہ میں تو مرید ہو بھی گیا۔ مولانا نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے کہا کہ کیا تو نے مولانا سے پوچھا تھا۔ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا کیا ان کو علم غیب تھا۔ پھر میں نے کہا کہ دیکھو میں اور مولانا رامپوری دو نہیں ہم سب ایک ہیں۔ میں ان کی طرف سے کہتا ہوں کہ تم اس زمین سے استعفاء دیدو اور اگر کچھ عذر ہے تو یہاں سے ابھی اٹھ جاؤ اور آئندہ جبتک توبہ نہ کرلو یہاں منہ نہ دکھاؤ۔

حکایت (۴۲۴) فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا۔ مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایکدفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندیؒ کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اسکے کنارہ پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اسپر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دُبلے قد بھی اچھا، کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جسپر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مُہریں تھیں جو نہایت صاف تھیں اور مُہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وسلم (آپکو حلیہ شریف

میں دیکھنا کچھ ضرور نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اسکے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے۔ لباس اسکا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اسنے مجھے ایک پرچہ دیا اسمیں بھی یہی عبارت تھی کہ (ہم نے تمکو عزت دی) اس میں بھی مہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہونگی۔ (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جسکو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

حکایت (۴۲۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی انکے پاس آکر بیٹھتا تو معارف و حقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے بچپن ہی سے ایسوں کے پاس پہنچا دیا۔ دین کی محبت تو مولانا فتح محمد صاحب کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ ان کی صورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی اہل اللہ سے محبت حضرت مولانا محمد یعقوب کے یہاں پہنچ کر ہوئی۔

حکایت (۴۲۶) فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کے والد اچھے بزرگ تھے اور ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے اور جو تاریخ کسی بزرگ کی وفات کی ہوتی اس روز دو قرآن شریف ختم فرماتے ایک ان بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کیلئے [illegible]

حاضر ہوا تو قصائیوں کے یہاں مولانا کی دعوت تھی میں بھی شریک تھا۔ ایک شخص نے وہاں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی صادق الیقین اور انکے والد کے معاملات کی کیا حالت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب ان میں اتفاق ہے اور یہ سب ان (حضرت مرشدی مدظلہم) کی برکت ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولود کی ممانعت یہ مولانا کی شان انتظامی تھی اور تعلیمی شان یہ ہے کہ جائز ہے بشرط عدم منکرات اور ناجائز ہے بشرط منکرات چونکہ لوگ حدود کے اندر نہیں رہتے اسلئے منتظمین مطلقاً منع کرتے ہیں۔

حکایت (۴۲۷) فرمایا کہ ایکمرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بیحد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس سے اطمینان ہو جائے۔ فرمایا ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو۔ کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

حکایت (۴۲۸) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ اسی کی برکت سے بہت کچھ حل ہو گئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب ٹانڈوی

حکایت (۴۲۹) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دعا کیواسطے حاضر ہوئے تو اُسنے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک فرق نہیں ہوا۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ یہ دعا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ دوسرا زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت

صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا تھانہ بھون مزار ہے) اور ایک مولانا اشرف علی
صاحب ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔

حکایت (۴۳۰) احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدی سندی شیخی و مرشدی حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی
شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی کی نسبت یہ فرمایا کہ بھائی ہمنے تو
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کچا پھل کھایا ہے (کیونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب
سے اول خلیفہ ہیں) اور انہوں نے پکا پھل کھایا ہے (کیونکہ بڑھاپے میں کمال وصال
بڑھتا ہے جامع) محشی کہتا ہے کہ یہ تواضع ہے اسکو تفاضل پر محمول نہ کیا جاوے۔ حالات
کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس
کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں۔

حکایت (۴۳۱) احقر جامع نے استاذی مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب
مدظلہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت بابرکت
میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا
اشرف علی صاحب مدظلہم کی شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں ایسا کرتے ہیں۔ اور
ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت
ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سننا نہیں
چاہتا وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت
سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سا منہ لیکر چلے گئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن، غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۳۲) حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور
انتظام میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی علمی و اخلاقی حالت
پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اسکی بدوضعی
یا آوارگی کو محقق فرمالیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے۔ اور جبتک وہ اپنی حالت
پر نادم ہو کر پھر توبہ نہ کرے اسکے والی و وارثوں کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ
ایکمرتبہ آپنے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے
ناز پر اپنے استاد کا احترام وادب ملحوظ نہ رکھا تھا، فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنیکا حکم
دیدیا اور جبتک خود استاد نے حضرت سے سفارش نہ کی اسوقت تک وہ واپس کردہ
کتابیں انکو دوبارہ نہ دی گئیں۔ اسی کیساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر
کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی۔ اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا
کرتے تھے۔ ایکمرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپکے پاس محرر مطبخ کے متعلق
شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم
کو جلی ہوئی روٹی ملی جسکے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب
دیا کہ اب نخرے بہت ہو گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو تو لو ورنہ جاؤ، مجھ سے یہ نہیں
ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگاؤں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت

اضافہ ساتھ آیا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھتا رہا اور
اصلاح و تربیت روحانی کے سلسلہ میں بھی روزانہ ترقی ہو کر انکو نئے مزید اشتغال کی
ضرورت بڑھتی رہی باوجودیکہ آپ مدینہ کی زمین میں دفن ہونیکی ہوس پر ہندوستان
چھوڑ سکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی نہیں پہنچے وہاں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے مدرسہ
سے رخصت لے چکے اور اسکو اپنے معتمد خدام کے حوالے کر کے تمام ذمہ داریاں
اتار چکے تھے مگر میں مجسم حیرت بنگیا جب آپکا رجسٹری شدہ والانامہ میرے نام آیا
جسمیں مدرسہ کے متعلق بیس سے زیادہ جزئی واقعات لکھے جنکی تحقیق اور اصلاح
کی ضرورت تھی اور پھر خود ہر معاملہ کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں واقعہ اگر صحیح ہو
تو یہ کرنا چاہیئے اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہیئے اور اس کے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں
نگرانی کا سبق پڑھایا ماضی کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھلایا اور ان
علامات مخفیہ پر آگاہ کیا جو اس وقت نہیں مگر آئندہ ہو کر پہاڑ بنتی نظر آتی ہیں۔
غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بہرے اور دور مقفل دماغ تھے
آپ نے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ ان سے
نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو بآسانی انجام
دے سکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی حکایات

حکایت (۳۰۴) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا
نورانی تھا میں انکے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو

(... ص ۱۰۶)

بیان (جامع) کہتا ہے اللہ اکبر کیا ٹھکانا اس تواضع اور انکسار کا حضرت حاجی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نیک لوگوں کا تو ایسا حال ہے — اور میرا یہ حال ہے
میرا ثانی کوئی دنیا میں نہیں — عالم و زاہد ... دین

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا میر شاہ خان صاحب راوی رسالہ امیر الروایات کی حکایات

حکایت (۳۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں
لیکن بہت شاذ و نادر کوئی خواب نظر آتا ہے اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے
ہیں۔ میں نے لڑکپن میں غالباً بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب
اور مولوی عبدالحی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے کہ سید صاحب بھی تشریف لا
رہے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک چارپائی پر سرہانے بیٹھے ہیں۔ میں انکی پائینتی
بیٹھا ہوا ہوں اور ان سے ایسی بے تکلفی کیساتھ باتیں کر رہا ہوں جیسے بہت دنوں کی ملاقات
ہو۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کا علم کتنا بڑا ہے۔ مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ
بقدر ضرورت۔ اسکے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مسجد
میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو بہت نیچا تھا بیٹھا آدمی تخت
اسی حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی مولانا اس سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اور
انکے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں جا کر بیٹھا تو مولانا نے

نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں اور فلاں مرتبہ
فلاں۔ اور انہوں نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو سینہ سے ناف تک ایک ... بالکل معلوم
ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کبھی اپنا پیٹ چاک کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ
آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق زور ہو رہا ہے۔ دیکھو کوئی
مانع نہ ہو اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک تراہ کا چھرا نکالا اور گردن
پر رکھ کر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھ سے
چھرا لے لیا۔ وہ بہت دیر تک غوں غوں شوں شوں کرتے رہے۔ جب جوش فرو ہوا تو انہوں
نے میرے پھوپھا سے کہا کہ اب مجھے چھرا دیدو اب مجھ پر وہ کیفیت طاری نہیں ہے۔ میرے
پھوپھا نے چھرا دیدیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے پھوپھا سے فرمایا کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا
اور مجھ سے بھی کہا کہ میاں لڑکے دیکھو تم بھی کہیں نہ کہہ دینا۔ اس روز سے مجھ پر کچھ ایسا خوف
طاری ہوا کہ میں پھر ان کے یہاں نہیں گیا۔ یہ قصہ نواب یوسف علی خاں کے زمانہ کا ہے۔ اس
کے بعد ہم تو رامپور سے چلے آئے۔ ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خاں مسند
ریاست پر متمکن ہوئے تو ان کے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ ان مجذوب نے اپنے
خادم سے کہا کہ رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا آج پھر شوق غالب ہوا ہے اور وہ
اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے۔ اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو تو الگ کر دینا۔ یہ کہہ کر سجدہ
میں گئے اور سجدہ میں جا کر انہوں نے اپنی گردن کاٹ ڈالی۔ سر تو تن سے جدا ہو گیا۔ یہ نہیں
معلوم ہوا کہ خود انہی نے جدا کر دیا تھا یا حسب وصیت خادم نے جدا کیا اور ان کا حلقوم
زمین پر آ گیا اور وہ اسی طرح سجدہ کی ہیئت پر قائم رہے اور سوائے خون کے نہ پاخانہ
نکلا نہ پیشاب، نہ اور کسی قسم کی رطوبت۔ اور خادم پاس بیٹھا ہوا برابر مورچھل جھلتا رہا۔

ول آتے تھے اور روتے تک۔ دیگر چلے جاتے تھے۔ جنگل میں بھی ورود وقت کھانے آتی تھی مگر ایک
اور آواز دیکھو چلی جاتی تھی۔ اسی طرح تین دن گذر گئے۔ آخر کار جنگلن نے ان کے پڑوس
میں اس کا تذکرہ کیا کہ میاں تو کہیں جاتے نہ تھے نہ معلوم جانے کہاں بیٹھ گئے۔ میں تین ایام
سے دو وقت کھانے جاتی ہوں مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ پڑوس کی عورتوں کو کچھ شبہ ہوا اور
انہوں نے اپنے اپنے کوٹھوں سے یکسم اور طریق سے ان کے مکان میں جھانکا۔ دیکھا تو وہ
شہید ہیں اور خادم بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے مردوں سے ذکر کیا۔ مردوں نے پولیس
میں اطلاع کی۔ پولیس آئی دروازہ کھولا گیا دیکھا واقعہ صحیح تھا۔ اب ان کی تجہیز و تکفین ہوئی
مگر نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا۔ مفتی سعد اللہ صاحب اور ان کی جماعت کہتی تھی کہ
انہوں نے خودکشی کی ہے اس لیے ان کی نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ اور مولوی ارشاد حسین صاحب
اور رامپور کے قاضی جو بدایون کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مغلوب الحال اور غیر مکلف
تھے ان کی نماز پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب اور قاضی صاحب کے
فتویٰ پر عمل کیا گیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ ان کی نماز ہوئی اور ان کو دفن کیا
گیا۔ ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب وہ خادم اپنے کو رب العالمین کہنے لگا۔ مگر
علماء کی رائے سے نواب صاحب نے اس کو رامپور سے نکال دیا اور اس کے بعد اس کا پتہ
نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

ایک پنجابی مجذوب صاحب کی حکایت

اضافہ از اختر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت نمبر (۴۱۲) ایک روز ارشاد فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجیو

لے ایسے مغلوب الحال ہوتے ہیں اور اولیاء مستکن کہلاتے ہیں گو استہلاک ظاہری نہ ہو۔ (اشرف علی)

نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے۔ اور اتفاقاً اسی جگہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہیدؒ کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "ادتمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے" حضرت حاجی صاحب شہیدؒ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایکدن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ "تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا۔ میں نے ان کو لوٹا پکڑا دیا" حضرت کے خدام نے سمجھا کر بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آگئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اسوقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حافظ عبد القادر صاحب مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۳) ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی رہتا تھا دار البقا میں ایک مجذوب حافظ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن وہ راستہ میں جا رہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا۔ دفعۃً مڑ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے۔ اسکے بعد چند قدم اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہٹوہ، ہٹوہ، ہٹوہ۔ اور سینہ

کیطرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا "یہ میرے گولی لگی یہ میرے گولی لگی" یہ چند الفاظ فرما کر بھاگ گئے۔ اس قصہ سے مہینے سوا مہینے بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت گولی سے شہید ہوئے۔ سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا ایکدن مولوی محمد قاسم صاحب بخاری شریف لے جا رہے تھے کہ یہی مجذوب حافظ صاحب راستہ میں مل گئے اور بخاری شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین لیکر چلدئے۔ مولوی صاحب ڈرتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لئے کہ کہیں بخاری شریف ڈال نہ دیں۔ راہ میں ایک بھڑبھونجہ کی دوکان تھی اس کی بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کردی اور زبان سے لگے منٗ منٗ منٗ کرنے۔ تھوڑی دیر تک ورقوں کو اُلٹ پلٹ کرتے رہے۔ اسکے بعد کتاب مولوی صاحب کو دیدی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

میر محبوب علی صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ انہی میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرو ہوا تو انگریزوں کیطرف سے ان کو گیارہ گاؤں مسلم انعام میں دیے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لیکر خود مولوی صاحب کیخدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپکی وفاداری کے صلہ میں آپکو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سُنکر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لیکر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لیے کیا تھا میرے

ف گو اس کے قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوگی جس کا غلط ہونا ثابت ہوا۔ اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیے جیسا اس زمانہ میں بھی اس کے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا شدہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔ (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)

اور حرمت اسلئے نہ تھی کہ مغلوب الحال تھے، معذور تھے۔ اسلئے حضرت تبسم فرماتے رہے۔ باقی زبان سے اس تفضیل کا اسلئے اظہار نہ فرمایا کہ فتنہ ہوگا۔ اس موقعہ پر حضرت کی جامعیت پر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (جامع)

(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد صاحب مرحوم وکیل الہ آباد کی حکایت

حکایت (۴۵۰) فرمایا کہ مولوی محمد صاحب وکیل الہ آباد کا قصہ میرے ایک دوست جو ایک مقدمہ کی پیروی میں الہ آباد گئے تھے اور مولوی صاحب کو وکیل مقرر کیا تھا بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ ان کے یہاں مہمان تھا میں نے ایک روز دیکھا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے چلتے کھیلتے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آہا جی ہمارے یہاں آج شیخ جی آئے۔ اور اس روز کھانے میں بہت دیر ہوگئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ شیخ جی کوئی بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں ان کیلئے اچھے اچھے کھانے پک رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کھانا آنے میں دیر ہوئی۔ جب بہت دیر ہوگئی اور کھانے کا وقت گذر گیا تو میں نے کسی سے پوچھا کہ بھائی یہ شیخ جی کون ہیں اور وہ ابتک دکھلائی بھی نہیں دئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آج ان کے یہاں فاقہ ہے بچے اسی کو شیخ جی کے لقب سے یاد کرکے خوش ہورہے ہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد میں بھی اثر ہوتا ہے گو وہ خود بزرگ نہ ہوں۔ یہ وکیل صاحب بزرگ زادے تھے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۵۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپیہ لیکر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہوگئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی۔ اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپیہ لیکر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپواکر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اسلئے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے۔ اور مولانا کا فتویٰ دکھلا دیا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لیجاؤ اس فتوے کو میں ہرگز روپیہ نہ لونگا۔

ایک زرباف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۵۲) ایک روز ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جلاہے۔ ایک روز صبح کی نماز میں ان کو دیر ہوگئی۔ دوڑے ہوئے کنوئیں پر وضو کے لئے پانی لینے گئے۔

ؔ یعنی کپڑا بننے والے۔ (اشرف علی)

الٰہی کس سے بیاں ہوسکے ثنا اس کی

مولانا محمد قاسم نانوتوی

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تُو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں
امیرِ لشکر پیغمبراں شہِ ابرار

تو بُوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تُو نورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمسِ نہار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
ترے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں بھی ہمارا شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے
کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اُڑا کے باد مری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

کر کے نثار آپؐ پہ گھر بار یا رسولؐ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

کر کے نثار آپؐ پہ گھر بار یا رسولؐ
اب آ پڑا ہوں آپؐ کے دربار یا رسولؐ

عالم نہ مُتّقی ہوں، نہ زاہد نہ پارسا
ہوں اُمتی تمہارا گناہ گار یا رسولؐ

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپؐ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسولؐ

ذات آپؐ کی تو رحمت و شفقت ہے سربسر
میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یا رسولؐ

کیا ڈر ہے اس کو لشکرِ عصیان و جرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسولؐ

ہو آستانہ آپؐ کا امداد کی جبیں
اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسولؐ